مجلد 3، شمارہ 3، اکتوبر 2023

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

انصاف کی اہمیت اور تقاضے

عدم برداشت

مثالی انسان کیسے بنیں؟

حصے کی شمع

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
Pakistan's No.1*
Liquid Seasonings
WORCESTERSHIRE SAUCE
Traditional Recipe
CHILLI SAUCE
Sizzling Hot
SOY SAUCE
Authentic Taste
SYNTHETIC VINEGAR
Tangy Twist
NOW IN
NEW LOOK
*Foresight Household Panel 2023
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan
ShangrilaFoods

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

اکتوبر 2023

فہم وفکر

مثالی انسان کیسے بنیں؟	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللّٰہ	08

مضامین

عدم برداشت	سید رشید عطا	10
اسوہ حسنہ کے چند پہلو	حکیم شمیم احمد	11
گداگری، پیشہ یا ضرورت؟	حفصہ فیصل	13
ختم نبوت	رابعہ فاطمہ	15
عافیت؟	اُمِّ محمد مصطفیٰ	16
زوجہ رکانہ رضی اللہ عنہا	ندا اختر	17
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	18

خواتینِ اسلام

کایا پلٹ	بیگم ناجیہ شعیب	20
ہیں کواکب کچھ	تماضر ساجد	21
یہ کیسی یتیمی ہے	اریبہ راشد	22
تلاش	شائلہ شکیل	25
اندازہ کرو	تنزیلہ احمد	26
مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ	لائبہ عبد الستار	28
حصے کی شمع	بنت محمد	29
معلّم	رومان فاطمہ	30

باغچہ اطفال

ننھا ہمدرد	بنت مسعود	32
سورج بادشاہ	محمد فیصل علی	33
ہوائی طوفان	ڈاکٹر الماس روحی	34
چیکو کی نصیحت	نشا وقار	35
بہترین پیادہ	بنتِ تاجور	36
عقل کا کیڑا	قرۃ العین خرم	37
بوبی بھالو اور چالاک لومڑی	سمیرا انور	38
دہشت گرد کون؟	ام عبد اللہ	39

بزمِ ادب

ترے در سے ہی مجھ کو سب کچھ مِلا ہے	رفیع الدین ذکی	42
ہجرت کا واقعہ	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ	شیخ ابوبکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللّٰہ

مدیر	مُحَمَّد خُرَّم شہزاد
نائب مدیر	قَارِی عَبْدُ الرَّحْمٰن
نظرِ ثانی	طَارِق مَحْمُود
تزئین و آرائش	فَیضَانُ الْحَق شَمْسی

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفترِ فہمِ دین

مثالی انسان کیسے بنیں؟

مدیر کے قلم سے

دُنیا کے ہر انسان میں چار صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔

1 کھوپڑی میں رکھا دماغ اور اس میں موجود عقل

2 سینے میں رکھا دِل اور اس میں موجود جذبات اور احساسات

3 سر تا پا جسمانی ڈھانچا اور اس کے ذریعے سر انجام دی جانے والی عملی قوتیں

4 جسم میں موجود غیر مرئی، نہ نظر آنے والی روح، اور اس کے ذریعے وجود میں آنے والے روحانی اعمال

ان چاروں صلاحیتوں کو استعمال میں لایا جائے تو انسان اس ایک زندگی میں تھوڑے وقت میں بے شمار کام کر جاتا ہے، دوسرے انسان حیران ہوتے ہیں اور یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ یہ شخصیت اپنی ذات میں انجمن ہے، اس تنِ تنہا انسان نے کئی انسانوں کے برابر کام کیا ہے۔ بہت لوگ ایسے گزرے ہیں، جنھوں نے اپنی ساری صلاحیتوں کو استعمال کیا تو اُن کی زندگی میں برکت ہو گئی۔ مگر آج کے اس سائنسی دور میں دُنیا پر عقل پرستی کا غلبہ ہو گیا ہے، اسکول، کالج، یونی ورسٹی میں جتنی ڈگریاں اور تعلیم ہے، میٹرک، ایم اے، پی ایچ ڈی وغیرہ ان سب کا مقصد ذہنی نشو و نما اور علمی ترقی ہے، مگر ایسے مظاہر ہمیں بارہا معاشرے میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں کہ کوئی نوجوان ذہین ہونے کے بل بوتے پر پڑھ لکھ تو جاتا ہے یا اپنی عقلی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی بنا پر اعلیٰ تعلیم تو مکمل کر لیتا ہے، مگر دِل جذبات اور احساسات کی تعلیم میں پرائمری پاس بھی نہیں ہوتا، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ساری ڈگریوں کے باوجود دُنیا اسے مختلف مواقع پر ''پڑھا لکھا جاہل'' کہتی نظر آتی ہے اور بات دُنیا کی غلط نہیں ہوتی، اس لیے کہ پڑھا لکھا تو دماغ ہے، مگر جاہل اس کا دِل ہے جو ادب کے میدان میں اَن پڑھ ہی رہا، اس لیے بعض اوقات والد کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ''کاش! تجھے پڑھایا ہی نہ ہوتا'' یا ماں کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ ''کاش! تجھے جنا ہی نہ ہوتا، آج یہ ذلت و رسوائی نہ دیکھنی پڑتی!'' یہ دِل کی تعلیم ''تربیت'' کہلاتی ہے۔

آج کی مادی دُنیا میں جو قیمت لگتی ہے، وہ عقل کی لگتی ہے، ٹیکنالوجی کے سینے میں دِل نہیں ہوتا، وہ عقل کے گھوڑے پر بیٹھ کر بجلی کی سی تیزی سے سفر کر رہی ہے، سارے تعلیمی ادارے عقل کے ہیں، ساری فیکٹریاں، کارخانے عقل کے ہیں۔ دِل رضاکار ہے، دِل بے لوث ہے، دِل رشتوں کا احساس کرتا ہے، دِل غریبوں کی مدد کرتا ہے، دِل مظلوموں کی داد رسی کرتا ہے، عقل اندھی ہو جاتی ہے، خون سفید ہو جاتا ہے، رشتوں کو پہچاننے سے انکار کر دیتی ہے، غریب کو ٹھوکر مار کر گزر جاتی ہے، مظلوم کی آہیں نہیں سن پاتی، مگر دِل بھری بس میں کھڑے سفید ریش اور خاتون کو بیٹھنے کا موقع دیتا ہے، دِل رشتوں کو بچانے کے لیے ہار جانے میں اپنی جیت سمجھتا ہے، دِل سراپا ادب ہے، مقدس جذبات اور پاکیزہ احساسات ہیں، عقل منطق چلاتی ہے، دُو بہ دُو جواب دیتی ہے، دِل خاموش رہتا ہے، عقل اکڑ جاتی ہے، جیسے شیطان رب کے سامنے اکڑ گیا، مگر دِل جھک جاتا ہے، اس لیے دانشور تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی زور دیتے ہیں۔

تیسری صلاحیت سر تا پا جسمانی ڈھانچا ہے، آدمی کے باعمل ہونے میں اس ڈھانچے کا ہی کمال ہے، حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ طاقت ور مومن، کمزور مومن سے بہتر ہے۔ آدمی سست نہیں، چست ہو، کہیں بھی ہو خدمت کرنے میں سب سے آگے ہو، مسجد میں جانے میں جسم کی پھُرتی کا کمال ہوتا ہے، گھر میں بیوی بچوں کا ہاتھ بٹانے میں اور بازار میں کسی ضعیف کا مددگار بننے میں جسم ہی کردار ادا کرتا ہے اس تیسری صلاحیت میں کمزوری اور سستی ہو تو یہ جملہ عام سننے کو ملتا ہے کہ ''ہٹّا کٹّا پڑا چارپائی توڑتا رہتا ہے'' اس سست مزاجی سے انسان کی بہت سی صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا ہے، وہ دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے، وہ اپنے ضروری کام تو دُور کی بات اپنے روزمرہ کے کام بھی خود نہیں کر پاتا، حتیٰ کہ پانی پینے کے لیے بھی اسے دوسروں کی محتاجی ہوتی ہے۔

چوتھی صلاحیت روحانیت ہے، روح کا تزکیہ، طہارت اور پاکیزگی۔ سب سے بڑھ کر خوفِ خدا ہو، تقویٰ کا اہتمام ہو، عشقِ خدا اور عشقِ رسول ﷺ ہو، روحانی بیماریوں کا علاج ہو، حسد، بغض، کینہ ہو یا لالچ، حرص، کنجوسی ہو، سب سے بچنے کا اہتمام ہو، جتنی اچھی صفات ہیں، دوسروں کی خوشی پر خوش ہونا، دعائیں دینا، مسکرانا، اتفاق، اتحاد، بھائی چارہ، ان سب کو اپنانے کی کوشش ہو۔

قارئینِ گرامی! ایسا انسان مثالی انسان بن سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں ان چاروں صلاحیتوں کی بھرپور رہ نمائی ملتی ہے، بلکہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ میں چالیس جنتی مردوں کے برابر طاقت تھی، ہم اگر یہ صفات اپنے اندر پیدا کر لیں تو یہ عقل کا غلام انسان یکایک ایک انسان کے بجائے چار انسانوں کے برابر کام کرنے کے قابل ہو جائے، بس اپنی صلاحیتوں کو تلاشنے اور انھیں پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ والسلام!

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

فہمِ قرآن

المائدة 50-57

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ 50

ترجمہ: بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالاں کہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں ان کے لیے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ 50

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ
وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ 51

ترجمہ: اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یار و مددگار نہ بناؤ۔ یہ خود ہی ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ 51

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا
دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا
فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ 52

ترجمہ: چناں چہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، تم انھیں دیکھتے ہو کہ وہ لپک لپک کر ان میں گھستے ہیں، کہتے ہیں: ”ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت کا چکر آ پڑے گا۔“ (لیکن) کچھ بعید نہیں کہ اللہ (مسلمانوں کو) فتح عطا فرمائے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کر دے اور اُس وقت یہ لوگ اس پر پچھتائیں جو انھوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھی۔ 52

تشریح نمبر 1: یہ منافقین کا ذکر ہے جو یہود و نصاریٰ سے ہر وقت گھلے ملے رہتے اور ان کی سازشوں میں شریک رہتے تھے اور جب ان پر اعتراض ہوتا تو وہ جواب دیتے کہ اگر ہم ان سے تعلّقات نہ رکھیں گے تو ان کی طرف سے ہمیں تنگ کیا جائے گا اور ہم کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہیں اور ان کے دل میں یہ نیت ہوتی تھی کہ کسی وقت مسلمان ان کے ہاتھوں مغلوب ہو جائیں گے تو ہمیں بالآخر انہی سے واسطہ پڑے گا۔

تشریح نمبر 2: ”کوئی اور بات ظاہر کرنے“ سے مراد غالبًا یہ ہے کہ ان کے پول وحی کے ذریعے کھول دیے جائیں اور ان کی رسوائی ہو۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ
اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ 53

ترجمہ: اور اس وقت ایمان والے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں، جنھوں نے بڑے زور و شور سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہو گئے اور وہ نامراد ہو کر رہے۔ 53

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ
وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ 54

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کرے گا، جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو مؤمنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے۔ 54

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ 55

ترجمہ: (مسلمانو!) تمہارے یار و مددگار تو اللہ، اس کے رسول اور وہ ایمان والے ہیں، جو اس طرح نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں کہ وہ (دل سے) اللہ کے آگے جھکے ہوتے ہیں۔ 55

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ 56

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو دوست بنائیں تو (وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ 56

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ 57

ترجمہ: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، ان میں سے ایسے لوگوں کو اپنا یار و مددگار نہ بناؤ، جنھوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے اور اگر تم واقعی صاحبِ ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔ 57

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کلماتِ ذکر اور ان کی فضیلت و برکت

کلمۂ تمہید کی افضلیت کا راز

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی، اسی طرح اس کے خاص کلمات بھی تلقین فرمائے، اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا امکان تھا کہ علم و معرفت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اللہ کا ذکر اس طرح کرتے جو اس کے شایانِ شان نہ ہوتا یا جس سے بجائے حمد و ثنا کے معاذاللہ اس کی تنقیص ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے جن کلماتِ ذکر کی تلقین فرمائی ہے، وہ اختصار کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور تحمید و توحید اور اس کی شانِ کبریائی و صمدیت کے بیان میں بلا شبہ معجزانہ شان رکھتے ہیں اور اس کی معرفت کے گویا دروازے ہیں۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ (صحیح مسلم)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰى شَجَرَةٍ يَابِسَةِ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبَ الْعَبْدِ كَمَا يَتَسَاقَطُ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے، جس کے پتے سوکھ چکے تھے، آپ ﷺ نے اس پر اپنا عصائے مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑ پڑے (اور ساتھ والوں نے وہ منظر دیکھا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کلمے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں، جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: نیک اعمال کی اس خاصیت کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی برکت اور تاثیر سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ ارشاد ہے: اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (یقینی بات ہے کہ نیکیاں گناہوں کا صفایا کر دیتی ہیں۔)

احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز اور صدقہ وغیرہ بہت سے اعمالِ صالحہ کی اس تاثیر کا خصوصیت سے بیان فرمایا ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے ان چار کلموں کی یہ تاثیر بیان فرمائی اور درخت کے سوکھے پتے عصا کی ایک ضرب سے جھاڑ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا ایک نمونہ بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور ان کلموں کی عظمت و تاثیر سے استفادہ کی توفیق دے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

کلمۂ توحید کی خاص عظمت و برکت

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا قَالَ عَبْدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰى تُفْضِيَ اِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ دل کے اخلاص سے کہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کے لیے لازماً آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرشِ الٰہی تک پہنچے گا، بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک خاص فضیلت و خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اخلاص سے یہ کلمہ کہا جائے اور اللہ سے دور کرنے والے بڑے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کلمہ براہِ راست عرشِ الٰہی تک پہنچتا ہے اور خاص مقبولیت تک نوازا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ بَلٰى! فَقَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک دن فرمایا: میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں، جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت! ضرور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح: اس کلمہ کے "خزائنِ جنت" میں سے ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھے گا، اس کے لیے اس کلمہ کے بے بہا اجر و ثواب کا خزانہ اور ذخیرہ جنت میں محفوظ کیا جائے گا، جس سے وہ آخرت میں ویسا ہی فائدہ اٹھائے گا، جیسا کہ ضرورت کے موقعوں پر محفوظ خزانوں سے اٹھایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کا منشا اس لفظ سے اس کلمہ کی صرف عظمت اور قدر و قیمت بتانا ہے، یعنی یہ کہ جنت کے خزانوں کے جواہرات میں سے یہ ایک جوہر ہے۔ کسی چیز کو بہت قیمتی بتانے کے لیے یہ بہترین تعبیر ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم!

ASLEE VIBES OF
ربيع الأوّل
Perfect
FRESHENER
ROOM FRESHENER
اصلي
ASLEE
LA PERFUME
DRY 300 ml e
Perfect
FRESHENER
رہو خوشبوؤں کیں

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

انصاف کی اہمیت اور تقاضے

مختصر سی زندگی ہو مختصر سی حکومت ہو اور مختصر سا دائرہ کار ہو یا بڑی حکومت بڑی سلطنت ہو، اس کی سر سبز و شادابی کے لیے اور اس کے امن اور سلامتی کے لیے عدل و انصاف ضروری ہے۔ گھر کی چھوٹی سی دنیا ہے اور چھوٹی سی سلطنت ہے، اس گھر کی زندگی سے انصاف اُٹھ جائے، عدل نہ رہے، اس گھر کا وجود خطرے میں ہے، اس گھر کی سلامتی خطرے میں ہے۔ آپس کے رشتے ہوں، آپس کی زندگی ہو، آپس کی محبت کی فضا ہو، آپس کا اعتماد ہو، عدل وانصاف نہیں ! سب خطرے میں ہے۔ کسی مملکت میں، کسی ملک میں انصاف نہ ہو، سماجی انصاف قومی انصاف نہ ہو تو لوگوں کا اپنی ریاست پر اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی اپنے ملک سے وابستگی، تعلق، رشتہ کم زور ہو جاتا ہے۔

ایک باپ اپنے بیٹوں میں انصاف نہ کرے، ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ انصاف نہ کرے، ایک چھوٹی سی چار دیواری کے اندر انصاف نہ ہو تو اس گھر کا وجود خطرے میں ہے۔ کسی ریاست میں، کسی قوم میں، کسی مملکت میں انصاف نہ رہے، اس کا وجود خطرے میں رہتا ہے۔ کسی قوم کی اور کسی ملک کی بقا اور تحفّظ کے لیے جو سب سے زیادہ ضروری چیز ہے، وہ عدل وانصاف ہے اور مذہبِ اسلام میں عدل اور انصاف کی کیا اہمیت ہے؟

رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے :

”سَبۡعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوۡمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ مِنۡهَا اِمَامٌ عَادِلٌ“

کل قیامت میں سات قسم کے لوگ اللہ کے عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے اور وہاں اللہ کے اس عرش کے سائے کے سوا اور سایہ بھی کوئی نہیں ہوگا، ان سات میں سے آقا ﷺ نے سب سے پہلے عادل بادشاہ کا ذکر فرمایا۔

کسی ملک میں عدل کا نظام ہے، عدل وانصاف رعایا کو میسر ہے تو یہ اللہ کی طرف سے انعام ہے اور اللہ کی طرف سے رحمت کا سایہ ہے اور کسی قوم پر ظالم مسلّط ہیں، یہ اللہ کا عذاب ہے، جو اس قوم کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر نازل ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے : میں عادل ہوں میں انصاف کا فیصلہ کرتا ہوں۔

شَهِدَ اللهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًا بِالۡقِسۡطِ وہ حاکم ایسا ہے جو انصاف پر قائم ہے۔

یہ اللہ کی خوبی ہے اور دنیا میں جس شخص کی زندگی میں یہ عدل آ جائے، اس نے اپنے اندر اللہ کی خوبی لے لی، اُس اللہ کی صفت ہے رحمت ! ایسے ہی اللہ کی صفت عدل بھی ہے، اللہ تعالیٰ انصاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ہدایت فرمائی عدل وانصاف کے ساتھ اور اس حکم میں اتنی باریکیوں کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰۤى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا

ایمان والو ! انصاف پر کھڑے رہو، اللہ کی خاطر گواہی دو اور اس انصاف سے اگرچہ تمہارا ذاتی نقصان ہو، تمہارے والدین کا نقصان ہو، تمہاری اولاد کا نقصان ہو، تمہارے رشتے داروں کا نقصان ہو، یہ سارا نقصان تم برداشت کرلو، لیکن جانب داری کا مظاہرہ نہ کرنا، عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑنا۔ عام طور پر انصاف کے دعوے دار جب بات قرابت کی آتی ہے اور جب بات اپنے ذاتی مفادات کی آتی ہے تو عدل وانصاف کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

اہلِ ایمان کو عدل وانصاف کا حکم ملا اور سارے وہ نقشے بھی سامنے رکھ دیے، جس سے انسان جانب داری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا

ایمان والو ! عدل وانصاف پر قائم رہو اور تمہاری کسی کے ساتھ دشمنی ہے، تمہارے دل میں کسی کی نفرت ہے، تمہارے دل میں کسی کے ساتھ بغض ہے، یہ چیز بھی تجھے عدل وانصاف سے محروم نہ ہونے دے، چاہے تیرا دشمن کیوں نہ ہو، چاہے تیرے دل میں کیا اس کے لیے بہت ہی کیوں نہ ہو، لیکن تو مسلمان ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ تو نے عدل وانصاف سے کام لینا ہے، جب مقابلے میں دشمن ہو تو آدمی اس کو نیچا کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتا ہے جائز، ناجائز، صحیح، غلط، حلال، حرام۔۔۔ دشمن جو ہے۔ اِعۡدِلُوۡا ”عدل و

انصاف سے کام لو۔"

حضرت محمد ﷺ کے سامنے ایک مسلمان نما آیا، اندر نفاق تھا اور کفر تھا، اس کا جھگڑا یہودی کے ساتھ تھا، یہودی حق پہ تھا، منافق نے کہا: فیصلہ کرنا ہے تو حضور ﷺ سے، یہودی مان گیا۔ دونوں حضرت محمد ﷺ کے پاس گئے۔ آپ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا، اس مسلمان نما منافق نے چاہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاؤں، کیوں کہ وہ تو یہودی کا نام سنتے ہی میرے حق میں فیصلہ کر دیں گے۔

یہاں ایک بہت اہم بات سمجھنے کی ضرورت ہے، قرآن میں کئی آیتیں ہیں کہ یہودیوں کی سازشوں سے اور ان کی مکاریوں سے مسلمانوں کو محفوظ رہنا چاہیے، وہ اپنی جگہ۔۔۔ لیکن معاملہ عدل وانصاف کا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں گئے، معاملہ پیش کیا، حضرت عمر رضی اللہ کچھ کہنے لگے تو اس یہودی نے کہا کہ عمر فیصلہ کرنے سے پہلے ایک اور بات عرض کر دوں کہ تمہارے پیغمبر ﷺ نے فیصلہ میرے حق میں کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر گئے، تلوار لے کر آئے اور منافق کی گردن اڑادی اور فرمایا جو میرے نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ نہیں مانتا، پھر اس کا فیصلہ عمر کی تلوار کیا کرتی ہے۔

مدینہ کے منافقوں نے بڑا پروپیگنڈا کیا کہ عمر نے مسلمان مار دیا، ایک مسلمان کا خون کر دیا، اللہ نے قرآن کی آیت اتاری یہودی کے حق میں فیصلہ ہے، فرمایا: جو حق پر تھا، یہ مسلمان نما حقیقت میں منافق تھا، مسلمان تو ہے ہی نہیں اور نہ حق پہ تھا۔

تو اسلام سراپا عدل ہے۔ اللہ خود عادل اور اس کا نازل کردہ نظام زندگی، دستورِ زندگی، قوانینِ زندگی سراپا عدل ہے۔

آج دنیا میں اکثریت کے مذہبی شعائر یا اقلّیت کی عبادت گاہیں کیوں محفوظ نہیں؟ آج دنیا اسلام کے نظامِ عدل سے معمور نہیں، مسلمانوں کے ہوں یا اقلیتوں کی عبادت گاہیں ہوں، آج یہ کیوں محفوظ نہیں؟ آج دنیا کا معاشرہ، اہلِ دنیا اسلام کے نظام سے معمور نہیں، اسلام کا نظامِ عدل تو ایسا ہے، جہاں پر ہر ایک کو تحفّظ حاصل ہے۔ اسلام تو نام ہی سراپا امن ہے، اس لیے کہ وہ سراپا عدل ہے، جہاں عدل و انصاف ہے، وہاں امن ہے، جہاں عدل و انصاف ہے، وہاں ہمدردی و خیر خواہی ہے۔ دنیا کے کسی مذہب میں اسلام جیسی رواداری اور انسانی ہمدردی کا تصور نہیں، لیکن اوپر سے لے کر نیچے تک عدل کا نظام ہے کہاں؟ یہ تو خوف ناک مناظرے تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد نظر آتے ہیں، شور ہوتا ہے، آوازیں لگائی جاتی ہیں اور بدقسمتی اور بھی ہے، بہ کثرت لوگ مذہب کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ ارے! مذہب ہے ہی کہاں؟ دین ہے ہی کہاں؟ دینِ اسلام تو اپنے پیروکاروں کو یہ سبق دیتا ہے، لیکن ہم نے اپنی قوم کی تربیت دین کے مطابق کی کہاں، دین سکھایا کہاں، دین پڑھایا کہاں؟؟

رسولِ اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے: اگر کسی اقلّیت پر ظلم ہوا اور زیادتی ہوئی اور ناانصافی ہوئی تو اپنی امت کو خبردار کیا۔ کہا: "کل قیامت میں، میں اس کی طرف کھڑا ہو کر تم سے جھگڑا کروں گا۔" اسلام تو اپنے پیروکاروں کو یہ تلقین کرتا ہے۔ مذہب شرپسندی کی اجازت نہیں دیتا، کسی کی عبادت گاہوں پر حملے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن عدل و انصاف ہوگا تو اکثریت کے بھی تو شعائر محفوظ ہوں گے، قرآن محفوظ ہوگا، اسلامی شعائر محفوظ ہوں گے، دینی شعائر محفوظ ہوں گے، پھر اقلّیت کی بھی عبادت گاہیں محفوظ ہوں گی، جو مصیبت کی جڑ ہے اور جو فساد کی جڑ ہے، اس کی طرف سے تو کہیں سے بھی آواز نہیں آتی کہ ہمارا نظام غلط ہے، ظالمانہ نظام ہے، ناانصافی کا نظام ہے، مجرم کو سزا ہی نہیں ملتی۔

عجیب بات ہے، ابھی پچھلے دنوں قومی اسمبلی سے بِل پاس ہوا بِل یہ تھا کہ ناموسِ اہلِ بیت اور ناموسِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی عزت وآبرو، جن کی حرمت وعظمت ہمارے ایمان کا حصہ ہے، وہ قومی اسمبلی سے بڑی مشکل سے بِل پاس ہوا۔

سینٹ سے بڑی مشکل سے پاس ہوا، لیکن اب صدر صاحب کے پاس پڑا ہوا ہے، دسیوں بِلوں پر دستخط ہو گئے، اس پہ دستخط نہیں ہو رہے، یہ بدقسمت لوگ چاہتے ہی نہیں کہ اس ملک میں امن ہو، ارے! یہاں قوانین بنائیے نا اور ان پر عمل کیجیے، کسی کی بھی عبادت گاہ ہو، کسی بھی مذہب کی مذہبی شخصیات ہوں، اسلام تو سب کو تحفّظ دیتا ہے۔ قانون بنائیے، عمل کیجیے، جہاں حضرت محمد ﷺ ہماری مقدّس شخصیت ہیں، وہاں حضرتِ عیسٰی علیہ السلام بھی ہمارے ہاں مقدّس ہیں، وہاں موسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے ہاں مقدّس شخصیت ہیں، جہاں مسجد مسلمانوں کی مقدّس جگہ ہے، اسلام تو یہ کہتا ہے کہ کسی اقلّیت کی عبادت گاہ ہے، اس کا تحفّظ بھی ہماری ذمے داری ہے۔ اسلام تو یہ بھی کہتا ہے کہ اگر مجبوراً دنیا میں شر وفساد اس قدر بڑھ گیا کہ تمہیں تلوار کی ضرورت پڑ گی، جہاد کی ضرورت پڑ گی، اصلاح کی کوئی امید نہیں، تب بھی بچوں کو بچانا، عورتوں کو بچانا، بوڑھوں کو بچانا جو کسی بھی عبادت گاہ میں عبادت کر رہا ہو، اس کو بھی تحفّظ دینا، عین میدانِ جہاد میں بھی جب کفر و اسلام کی جنگ ہو رہی ہو، تب بھی عبادت گاہوں کا اس قدر لحاظ ہے، لیکن ہم نے اپنی قوم کی تربیت اپنے دین کے مطابق کی ہی نہیں! ہم تو اس دین اور مذہب کو اپنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں نا! عقلوں پہ پردے آ چکے ہیں، ہم تو اسلام کے عادلانہ نظام کو اپنے لیے رکاوٹ سمجھتے ہیں، پھر اس کا انجام یہی ہے، اس وقت دنیا میں درندوں کا قانون ہے، جہاں دیکھو کہیں قرآن جلایا جا رہا ہے، کہیں عبادت خانوں پر حملے ہیں، اسلام کے قوانین میں، عادلانہ نظام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ عدل و انصاف یہ سلامتی کا راستہ ہے، عدل وانصاف کے قوانین کسی قوم کی سرسبزی اور شادابی کے لیے سب سے ضروری چیز ہے۔ اپنا ہے، بیگانہ ہے، تمہارا اہم مذہب ہے، غیر ہے، تمہاری زبان کا ہے، دوسری زبان کا ہے، غریب ہے، امیر ہے، بس عدل وانصاف! اس میں کہیں تمہاری خواہش کی پیروی نہ ہو، اللہ کا لحاظ کرو، اس کی ہدایت کو سامنے رکھ کر، عدل وانصاف سے کام لو۔

ہم میں سے ہر شخص اپنے دائرہ کار میں عدل و انصاف پر اپنی زندگی لے جائے۔ ایک شخص آیا، محمد ﷺ کی خدمت میں کہنے لگا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میں سب سے زیادہ عدل وانصاف کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: "جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، جو رویے، جو انداز اپنے لیے تجھے پسند ہے، وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو۔"

بتائیے! اگر یہ عدل وانصاف ہماری چھوٹی سی دنیا میں بھی ہو جائے تو محبت پروان چڑھے گی، اتفاق واتحاد کی خوشبو آئے گی، باہمی ہمدردی کے جذبات ابھریں گے اور یہ عدل وانصاف مملکت پہ آ جائے تو یہ سایۂ رحمت ہے۔

جہاں قوم باہمی اتفاق سے جڑتی ہے، وہاں قوم اپنے ملک سے بھی وفادار، اپنے ملک سے بھی اس کا گہرا رشتہ اور تعلق بنتا ہے تو ہماری سب سے بڑی ضرورت عدل وانصاف ہے۔ ہم اپنی نجی زندگی میں اور اپنی گھریلو زندگی میں، اپنے دفاتر کی زندگی میں، عدل وانصاف پہ ہوں اور دعا بھی کریں کہ اللہ ربّ العزت ہمیں اسلام کا عادلانہ نظام دے اور عادلانہ نظام زندگی عطا فرمائے، تاکہ ہم ہر قسم کے فتنوں وفسادات سے اور شر سے محفوظ ہوں۔ آمین!

عدمِ برداشت

سیدرشیدعطا

لوگوں کے درمیان عدمِ برداشت کی بڑی وجہ معاشرتی تفریق، دھڑے بندی، تنگ نظری اور تربیت کا فقدان ہے، کیوں کہ ہمارے معاشرے میں علم یا معلومات کی تو بھرمار ہے، مگر تربیت کی بہت کمی ہے۔ چاہے کسی فرد کی ذاتی زندگی ہو یا پھر اجتماعی زندگی! سوچ کا بہت بڑا فقدان ہے۔ آج کا حضرتِ انسان کہیں دولت کے نشے میں چور ہے تو کہیں عہدے کے نشے میں سرشار ہے اور اپنے مقابلے میں آنے والی تمام مخلوقات کو انتہائی حقیر اور کم تر سمجھتا ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا والدین اور اساتذۂ کرام سے سنا کہ عاجزی وانکساری، عفوودر گزر، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمدِ مصطفیٰ ﷺ کو بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اہلِ جنت متقی لوگوں کے اوصافِ حسنہ بتاتے ہوئے ایک باکمال وصف اور اخلاقی خوبی کو اس طرح بیان کیا ہے:

الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آلِ عمران: 134)

ترجمہ: جو خوشحالی اور تنگ دستی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے در گزر کرنے والے ہیں اور اللہ نیک لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کریں یا اسلاف کی زندگیوں کو دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی عظیم المرتبت لوگ گزرے ہیں، وہ عاجزی وانکساری کی اعلیٰ مثال تھے اور اس کی بڑی، اعلیٰ وارفع مثال ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہے۔ اگر آپ ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ اس ظلمت کے دور میں جہاں صرف جہالت، گم راہی، انا پرستی اور فرقے بازی کا دور دورہ تھا، آپ ﷺ نے اپنے طرزِ زندگی سے اس تعفّن زدہ معاشرے میں عاجزی، انکساری، ہم دردی اور محبت کی وہ اعلیٰ مثالیں قائم کیں کہ دشمن بھی آپ ﷺ کے معترف تھے اور آپ ﷺ کو صادق وامین کے لقب سے پکارتے تھے اور آپ ﷺ کے اسی وصف کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں یوں بیان کیا

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔

لٰہذا آج ہمیں ضرورت ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو یہ بتائیں کہ زندگی کے نشیب و فراز کو خندہ پیشانی سے قبول کریں، انتہائی تحمّل وصبر سے حالات کا جائزہ لیں اور پوری طرح سے غور وفکر اور دل ودماغ کو یک جا اور یکسو کر کے ایسا فیصلہ کریں کہ جو معاشرے میں انتشار کا باعث نہ بنے، مگر اس کے لیے بہترین تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے، اگر گھر کا ماحول بہتر ہو گا تو یقین کریں ایک بہترین معاشرہ تشکیل پائے گا، کیوں کہ افراد سے معاشرہ بنتا ہے اور معاشرے سے ایک قوم وملت بنتی ہے۔ جب بہترین تربیت یافتہ نوجوان اس فرسودہ معاشرے کا حصہ بنیں گے تو سوچ تبدیل ہو گی اور معاشرہ اپنی اصل اقدار کی طرف گامزن ہو گا۔

مِنْ حَيْثُ الْقَوْم ہم اسلامی اور معاشرتی اقدار سے دور نہیں، بلکہ بہت دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آج بد تہذیبی کو ہمارے معاشرے میں جو مقام حاصل ہے، اس کی مثال حضرتِ انسان کی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ عزّت واحترام کے معیارات یک سر تبدیل ہو گئے۔ آج جو چرب زبان، دھوکے باز اور شریر ہے، وہی اس معاشرے میں زیادہ ترقی اور شہرت پاتا ہے، مگر یہ سب کچھ وقتی ہوتا ہے، کیونکہ یہ فطرت اور انسانی اقدار سے متصادم رویّہ ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

عاجزی، انکساری، بردباری، کم گوئی، عزّت، احترام، ادب اور معاملات انسان کو انسانیت کی معراج تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان سب اخلاقِ حمیدہ کو پانے کے لیے جو ہتھیار کام آتے ہیں، وہ ہیں خالقِ حقیقی پر پختہ یقین، خالص بندگی، اطاعتِ رسول اللہ ﷺ، صبر وشکر، معاملات میں توازن اور زندگی گزارنے کے نبوی آداب !!

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

بات ہو رہی تھی عدمِ برداشت کی جو کہ ہمارے معاشرے میں اب کم کم ہی پایا جاتا ہے۔ خواہ گھر ہو، بازار ہو، دفتر ہو یا پھر دورانِ سفر، عدمِ برداشت دن بہ دن تنزّلی کا شکار ہے۔ میاں بیوی ہوں، بہن بھائی ہو، مالک ونوکر ہو حتی کہ سڑک پہ چلنے والے مسافر ہی کیوں نہ ہوں، ہر کسی میں قوّتِ برداشت کی کمی شدّت سے محسوس ہوتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ دین سے دوری ہے اور اسباب پر نظر جبکہ مُسَبِّبُ الاَسباب سے متعلّق غیر یقینی صورتِ حال، مایوسی، نااُمیدی، دنیا کی بے جا محبت، لامحدود خواہشات وغیرہ وغیرہ حالاں کہ مایوسی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے اور نااُمیدی انسان کے اندر زندہ رہنے کی خواہش ختم کر دیتی ہے اور پھر انسان کی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے قوّتِ برداشت آہستہ آہستہ ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور انسان عدمِ برداشت کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ ربُّ العزّت نے قرآنِ حکیم ارشاد فرمایا:

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (الحجر: 56)

ترجمہ: ”اپنے ربّ کی رحمت سے کون ناامید ہو سکتا ہے، سوائے گمراہ لوگوں کے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: لَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (الیوسف: 87)

بقیہ صفحہ نمبر 12 پر

اسوۂ حسنہ کے چند عملی پہلو

حکیم شمیم احمد

آخری حصہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ اور صبر و تحمل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعوتی زندگی کے روزِ اوّل ہی سے قدم قدم پر جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک طرف تو طائف کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ صبر سے فرمایا اور اہلِ طائف کی شقاوتِ قلبی پر جب خالقِ کائنات نے جبرائیل امین کو بھیجا اور انھوں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے جو سلوک کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا ہے اور اس نے ملک الجبال (پہاڑوں پر معمور فرشتوں کو بھیجا ہے)۔ اگر آپ فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو (جن کے درمیان طائف اور مکہ ہیں) آپس میں ملا کر ان کو ختم کر دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بَلْ اَرْجُوْا اَنْ یُخْرِجَ اللّٰہُ مِنْ اَصْلَابِہِمْ مَنْ یَعْبُدُ اللّٰہَ وَحْدَہٗ لَا یُشْرِكُ بِہٖ شَیْئًا

نہیں، بلکہ مجھے اُمید ہے کہ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔

اس ہی طرح ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اُحد کے مقام پر مشرکینِ مکہ کی جانب سے مسلّط کردہ جنگ میں مصروف تھے اور اس معرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور چہرہ انور زخمی ہوا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ آپ ان کے لیے بددعا فرمائیں، ایسے کٹھن اور مشکل وقت میں بھی نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر کا بے مثال مظاہرہ کیا اور یہی دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما یہ مجھے جانتی نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی صَدَقَ وَعْدَہٗ، وَنَصَرَ عَبْدَہٗ، وَھَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَہٗ، مَاذَا تَقُولُونَ وَمَاذَا تَظُنُّونَ؟ قَالُوا: نَقُولُ خَیْرًا وَنَظُنُّ خَیْرًا، أَخٌ کَرِیمٌ، وَابْنُ أَخٍ کَرِیمٍ، وَقَدْ قَدَرْتَ فَأَسْجِحْ قَالَ: فَإِنِّی أَقُولُ کَمَا قَالَ أَخِی یُوسُفُ: لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِینَ (اخبارِ مکہ)

جب فتحِ مکہ کے موقع پر یہی اہلِ مکہ جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا جینا دوبھر کر دیا تھا، سرنگوں ہوگئے اور انھوں نے اپنی اُمیدیں یہ کہہ کر رحمتِ عالم کے دامن مبارک سے وابستہ کر لیں کہ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں تو آپ نے یہ فرما کر سب کو چند ایک بدبختوں کے سوا رہائی دے دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج میں وہی الفاظ دہراؤں گا، جو میرے بھائی یوسف علیہ السّلام نے کہے تھے۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ، اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچنے والی مشکلات اور مصائب بھی دوسروں کے مقابلے میں ہر اعتبار سے، بہت زیادہ تھی۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ”بلاشبہ اللہ کی راہ میں مجھے جس قدر اذیت دی گئی، اتنی کسی کو نہیں دی گئی۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بے مثل صبر و ضبط دراصل امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ایک صبر اور درسِ عمل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عملِ مبارک کے ذریعے یہ تلقین و تاکید فرمائی کہ حالات خواہ کیسے ہی ناساز کیوں نہ ہوں، مشکلات کا دورانیہ خواہ کسی قدر طویل کیوں نہ ہو اور مصائب کی شدّت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، فتح اور مکمل کامرانی کے لیے صبر ازبس ضروری اور صبر کے بعد دائمی حقیقی اور مکمل کامیابی کا تصوّر ممکن ہے۔

اسراف و دِکھلاوے کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ استعمال کپڑوں کا ایک ہی جوڑا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: آپ نے کبھی مسلسل دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے گھر میں پردے لٹکا لیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو گھر میں داخل تک نہیں ہوئے، پوچھنے پر فرمایا کہ ”اس دنیاوی زیب زینت سے میرا کیا تعلّق۔“

اسی طرح ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے حجرے میں پردے لٹکائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر ناگواری کا اظہار فرمایا اور فرمایا: ہمیں اللہ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہم اس کے دیے ہوئے رزق میں سے اینٹوں اور پتھروں کو کپڑے پہنائیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک بار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونے کا ہار دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا: ”اے فاطمہ! کیا تو یہ پسند کرے کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے؟“ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے بیچ کر ایک غلام آزاد کر دیا۔ آپ کو علم ہوا تو فرمایا کہ ”اللہ کا شکر ہے، اس نے فاطمہ کو آگ سے نجات دی۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ اور رزقِ حلال

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ

حلال رزق کا طلب کرنا (دوسرے) فرائض کے بعد ایک فرض ہے۔

اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام کمائی سے اجتناب کی تلقین واضح الفاظ میں متعدّد مقامات پر کی ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّیَ بِحَرَامٍ

بلاشبہ حرام کی کمائی سے پلا ہوا جسم جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: حرام کی کمائی سے صدقہ و خیرات کرنے والوں کی بابت فرمایا کہ جس شخص نے برائی کے ذریعے مال کمایا، پھر اس کے ذریعے صلہ رحمی کی یا اس سے صدقہ کیا یا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کیا تو یہ سارا مال جمع کر کے اس کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا

جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور وقت کی قدر و قیمت

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کی قدر و قیمت کی جانب اس طرح توجہ دلائی، فرمایا:

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ

دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں، ایک فراغت اور دوسری صحت۔

عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ نَضْلَةَ بْنِ عَبِیْدَ الْاَسْلَمِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِیمَ أَفْنَاهُ؟ وَعَنْ عِلْمِهٖ فِیمَ فَعَلَ فِیهِ؟ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَیْنَ اكْتَسَبَهُ؟ وفِیمَ أَنْفَقَهُ؟ وَعَنْ جِسْمِهٖ فِیمَ أَبْلَاهُ؟ (الترمذی)

ابو بَرزَہ نضلہ بن عبید اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے، جب تک کہ اس سے پوچھ نہ لیا جائے اس کی عمر کے بارے میں کہ اس نے اسے کن چیزوں میں ختم کیا؟ اس کے علم کے بارے میں کہ اس نے اسے کن چیزوں میں خرچ کیا؟ اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کن چیزوں میں کھپایا؟“

آخرت میں اللہ ربُّ العزّت جب مخلوق سے سوال کریں گے کہ ہم نے تمہیں عمر دی تھی کہاں گزاری تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ وہاں درہم و دینار اور موبائل کام نہیں آئے گا، وہاں تو اعمال کی کرنسی چلے گی، جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزاری ہو گی، وہی نجات پا سکے گا اور اسی کی بخشش ہو سکے گی۔

عوام الناس کا مسلسل بے جا اور بے دریغ موبائل کا استعمال طبّی نکتہ نگاہ سے بھی نقصان کا باعث ہے، اس سے اعصاب پر دباؤ پڑتا ہے۔ بینائی کمزور ہو جاتی ہے۔ رات دیر تک انٹرنیٹ پر بیٹھنے سے طبیعت میں چڑچڑا پن اور طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔

ہمارے زمانے میں جب ٹیلی فون، موبائل اور ٹی وی ایجاد نہیں ہوا تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے گھر کے بزرگ اپنی اولاد کو ترغیب دیتے کہ ہفتے میں ایک دن مقرر کر کے دوستوں اور سہیلیوں کی مزاج پرسی کے لیے جایا کرو۔ ان کے مسائل حل کروا کر کوئی ساتھی کسی مضمون میں کمزور ہے تو اس کی بھرپور مدد کرو، تاکہ وہ بھی امتحان میں اچھی پوزیشن حاصل کر سکے، یوں آپس میں محبت بڑھے گی اور ساتھیوں کی دل جوئی کرنے سے روحانی خوشی حاصل ہو گی۔

آج کل موبائل کے بے جا استعمال نے اتنی شدّت اختیار کر لی ہے کہ کوئی مہمان محبت میں دور دراز کا سفر کر کے ملنے آتا ہے اور میزبان بجائے ان میں دل چسپی لینے کے اپنے موبائل میں مسلسل مصروف نظر آتا ہے۔ ان حالات میں مہمان کیا تاثر لے کر لوٹے گا؟ ممکن ہے وہ دوبارہ آپ سے ملنا بھی گوارا نہ کرے، یوں رشتوں کا تقدّس پامال ہو رہا ہے۔ معاشرے میں ناچاقیاں جنم لے رہی ہیں اور ہر شخص اپنے آپ کو تنہا تنہا محسوس کرنے لگا ہے۔ خدارا! عقل کے ناخن لیں، آپ کے اس رویے سے اللہ بھی ناراض ہو گا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ

جو تجھ سے رشتہ توڑے تو اس سے رشتہ جوڑ۔

احکامِ الٰہی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع نہ کریں، قرآنِ حکیم کی سورۃ التکاثر میں اللہ ربُّ العزّت نے ارشاد فرمایا

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ

پھر ضرور اس روز تم سے نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔

دانش ور اور اہلِ علم اس گتھی کو سلجھانے میں مصروف ہیں کہ کس طرح قوم سے موبائل کا نشہ چھڑوایا جائے۔ سچ پوچھیں تو قرآنی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے میں ہی اس سے نجات ممکن ہے۔

یہ بات میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ طاغوتی طاقتیں موجودہ نسل کو گم راہ کرنے کی کتنی کوشش کر لیں، ان کے اطراف لہو لعب کا سامان بکھیر دیں، پھر بھی وہ ان کے جال میں پھنسنے والے نہیں۔ یہ میں نہیں کہہ رہا، قرآن کہہ رہا ہے: ارشادِ ربانی ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

جو شخص شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے، اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

بقیہ

عدمِ برداشت

ترجمہ: ”اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ!“

اور مومن کو اپنے رب سے اچھا گمان رکھنا چاہیے کہ حدیث شریف میں ہے:

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِی، اِنْ ظَنَّ بِی خَیْرًا فَلَهُ، وَاِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهُ (المسند لاحمد بن حنبل)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزّ و جل نے ارشاد فرمایا: میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، اگر وہ خیر کا گمان کرے تو اس کے لیے خیر ہے اور اگر وہ شر کا گمان رکھے تو اس کے لیے شر ہے۔ ڈاکٹر علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

نہیں ہے نااُمید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

آیئے! ہم سب مل کر معاشرے کی تشکیلِ نو میں اپنی استدعا کے مطابق حصہ ڈالیں اور اس زوال پذیر معاشرے کی کھوئی ہوئی عظمت و رفعت کو پھر سے بحال کریں۔ لہٰذا بحیثیتِ مسلمان ہمیں انھیں قواعد و ضوابط اور اقدار کی پابندی کرنا ہو گی جو کہ آج سے 1445 سال پہلے نبی آخر الزماں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتائے کہ جن پر عمل پیرا ہو کر ہم دنیا و آخرت دونوں جہاں میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

گداگری پیشہ یا ضرورت

حفصہ فیصل

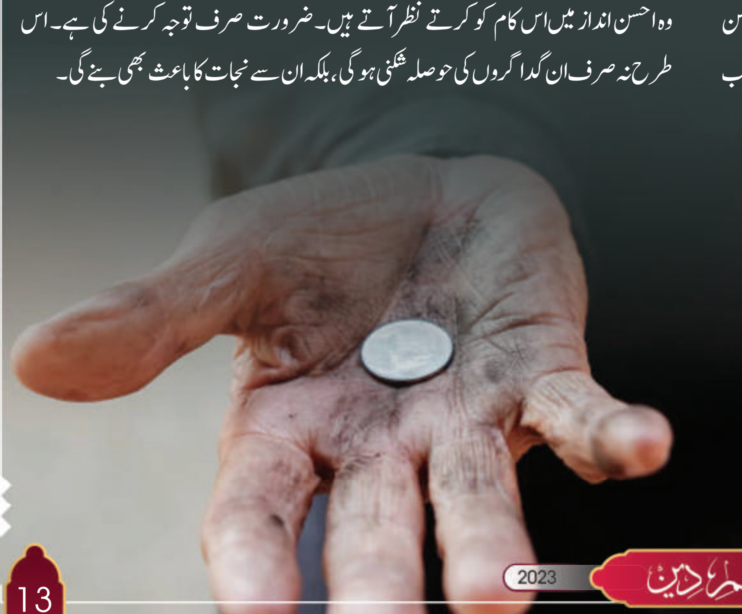

وطنِ عزیز میں پچھلے ایک عشرے میں گداگری کے پیشے کو جتنی ترقی ملی ہے، شاید ہی کسی اور پیشے کو ملی ہو۔ باقاعدہ مانگنا، دھوکہ دے کر مانگنا، ٹھگنا اور نفسیاتی حربوں سے بٹورنا اس پیشے کی مختلف اقسام ہیں۔ ایک ہوتا ہے فقیر۔۔۔ جو بے حد غریب ہوتا ہے اور غیرت مند غریب کی تو ہادیٔ عالم ﷺ نے بھی تعریف فرمائی، بلکہ امت کے فقرا کے ساتھ حشر تک مانگا۔

لیکن آج کل جو ہر گلی، نکڑ اور علاقے میں آپ کو فقیر، غریب نظر آتے ہیں، کیا وہ صحیح معنوں میں فقیر ہیں؟ نہیں بلکہ وہ گداگر ہیں، بھکاری ہیں، جو کہ پیشہ ور ہیں، یعنی مانگنا بطورِ پیشہ انھوں نے اپنایا ہوا ہے۔ کبھی اپنی مجبوریوں کا دکھڑا رو کر تو کبھی اپنی معذوری کا عذر بتا کر وہ لوگوں سے پیسے اور ہمدردی بٹورتے ہیں۔

آپ بازار جائیں یا دفتر کی سڑک پر ہوں، سگنل پر رُکیں یا بیکری پر، کلینک کی طرف اپنے بچے کو لیے جا رہے ہوں یا باغ کی سیر کو، آپ کو یہ پیشہ ور گداگر مخصوص انداز میں مانگتے ہوئے ملیں گے۔ کبھی آپ کو نوکری میں ترقی کی دعا دیں گے تو کبھی بیماری سے نجات کی، کبھی بچے جنیں تو کبھی شادی ہونے کی خوش خبری سنا دیں گے۔ اسی طرح بعض جگہوں پر آپ کو مفلوک الحال یا معذور افراد بس اسٹینڈ یا بس کے سفر میں بھی ملیں گے، جو آپ کو اپنی اور گھر والوں کی پریشانیاں سنا کر رقم اینٹھنے کا حربہ آزمائیں گے، کبھی گاؤں سے آتے ہوئے جیب کٹنے کی داستان ہو گی تو کبھی سِول ہسپتال میں تڑپتی بچی یا ماں کی دکھی فریاد ہو گی۔۔۔

اس کے ساتھ ساتھ مخصوص مہینوں جیسے رمضان المبارک، محرّم الحرام، ذوالحجہ وغیرہ میں ان گداگروں کی تعداد یک دم بڑھ جاتی ہے۔ جھنڈ کے جھنڈ اندرونِ دیہاتوں سے شہروں کا رُخ کرتے ہیں، کیوں کہ ان ایام میں لوگ زکوۃ، خیرات اور عطیات زیادہ نکالتے ہیں اور یہ بھکاری ان ایام کو اپنا سیزن گردانتے ہوئے جوق در جوق شہروں کا رُخ کرتے ہیں، بلکہ بعض جگہوں پر گداگر مافیا کے زیرِ نگرانی لائے جاتے ہیں۔

بہت سے لوگوں نے اسے خاندانی پیشے کے طور پر اپنایا ہوا ہے، اپنی حمیت اور غیرت کو پس پشت ڈال کر ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے کو ٹھیک سمجھتے ہیں، حالاں کہ ”ایک بار ایک صحابی کو آپ ﷺ نے اسی سوال کرنے سے روکا اور اس کو محنت کر کے کمانے کا حکم دیا کہ سوال کرنے والے کے چہرے پر روزِ محشر داغ ہوں گے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سوالی جو ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے، قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہو گی۔

(بخاری، کتاب الزکوۃ باب من سال الناس تکثرا)

مگر آج اس پیشے کو سب سے آسان اور کثیر المال پیشہ گردانا جاتا ہے۔ یہ لوگ کاروباری ذہن رکھتے ہیں اور اپنی اسی رَوِش کی وجہ سے حق داروں کے حق پر ڈاکہ مار کر دوہرے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کئی لوگ اپنے حلیے کو مذہبی پیرہن اور ذومعنی لفاظی کا استعمال کر کے لوگوں کے عقیدوں کو بھی خراب کرتے ہیں۔ اسی طرح آج کل گداگری کے روپ میں ڈاکے اور مجرمانہ کاروائیاں بھی عام ہیں، ہپناٹائز اور دیگر غلط علوم بھی سیکھ کر لوگوں کو لوٹا جاتا ہے اور ان چیزوں میں سب سے زیادہ نفسیاتی حربے آزما کر عوام کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔

ویسے اگر تجزیہ کیا جائے تو آج یہ گداگر عرفِ عام میں جسے ”فقیر“ کہتے ہیں، بڑا امیر ہے۔ ایک اوسط اندازے کے مطابق ان کی روزانہ کی آمدنی دو سو سے پانچ سو روپے تک ہے۔ شاہراہیں اور سڑکیں، مارکیٹیں، ہسپتال، پارک اور مزاریں باقاعدہ مقرّر کی جاتی ہیں، نئے آنے والے فقیر سے باقاعدہ اس کا بھتہ لیا جاتا ہے، اس کے پیچھے پورا مافیا کام کرتا ہے، گود کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی کرایوں پر دیے جاتے ہیں، تاکہ ان کی معصوم اور ترستی شکلوں کے ذریعے زیادہ رقم بھیک میں مل سکے۔ بلوچ کالونی کے پل کے نیچے سے پچھلے دنوں گزرنا ہوا، گداگروں کی پوری بستی اس پل کے نیچے آباد نظر آئی، اسی طرح کئی جگہوں پر ایسی آباد بستیاں نظر آتی ہیں۔

ایک طرف ان کی مفلوک الحالی دیکھ کر رب کا شکر بھی ادا کیا، لیکن انہی گداگروں کے ہاتھوں میں ٹچ اور اسمارٹ موبائل فون دیکھ کر رشک بھی آیا۔

ایک فقیرنی صدا لگاتی گلی سے گزر رہی تھی، ہاتھ میں گود کی بچی بھی تھی، اتفاق سے میں وہاں کسی کے انتظار میں کھڑی تھی کہ ہلکی سی بیپ ہوئی اور فقیرنی صاحبہ اپنی بوسیدہ چادر کے پلو سے چھپاتے ہوئے ہیلو کہنے لگیں۔۔۔ اللہ اکبر کبیراً!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو منبر پر صدقہ اور سوال سے بچنے کے لیے خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والے ہاتھ سے مراد خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہاتھ ہے۔“ (ابوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب ماتجوز فیہ المسئلہ)

گداگری کے مکروہ فعل کی روک تھام کے لیے حکومتِ وقت کو اقدامات کرنے چاہییں۔۔۔ اور عوام کو بھی صحیح معنوں میں غریب اور مستحق لوگوں تک اپنی خیرات وصدقات پہنچانے چاہییں، ان پیشہ وروں کو اپنا پیسہ دے کر ان کی حوصلہ افزائی مت کریں اور مستحقین کا حق نہ ماریں۔

اگر ہم اپنے اطراف میں نگاہ کریں تو ایسے کتنے ہی سفید پوش خاندان نظر آئیں گے جو واقعتاً ہماری امداد کے مستحق ہیں۔

اگر پھر بھی مستحق اور ڈھونگی کا فرق سمجھ نہیں آتا تو معتبر فلاحی اداروں میں اپنے عطیات دیجیے، وہ احسن انداز میں اس کام کو کرتے نظر آتے ہیں۔ ضرورت صرف توجہ کرنے کی ہے۔ اس طرح نہ صرف ان گداگروں کی حوصلہ شکنی ہو گی، بلکہ ان سے نجات کا باعث بھی بنے گی۔

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
MESMERIZING TOUCH
TO YOUR GLAMOUR
NEWZAIBYJEWELLERS
S-11, YOUSUF GRAND SQUARE,
BLOCK 8, CLIFTON, KARACHI
021 35835455
021 35835488

ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں

رابعہ فاطمہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانی رُشد و ہدایت کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السّلام کی ذاتِ اقدس سے کیا اور اختتام اپنے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر فرمایا۔ آپ قصرِ نبوت کی آخری اینٹ اور شجرِ نبوت کا آخری پھل قرار پائے، لہٰذا حضور ﷺ کی تعلیمات تا قیامِ قیامت پوری انسانیت کے لیے سرچشمۂ حیات ہے۔

عقیدۂ ختمِ نبوت اساسِ حیات ہے، جس کو تھامنا اور تھامے رکھنا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اگر یہ عقیدہ مجروح ہو جائے تو دامنِ دل ایمان سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں توحید و رسالت، معاد و حشر کو جزوِ ایمان قرار دیا ہے، وہیں یہ باور کروایا ہے کہ عقیدۂ ختمِ نبوت بھی اسی طرح لازم و ملزوم ہے، جس طرح جسم کو روح!!

ختمِ نبوت قرآنِ کریم کی روشنی میں:

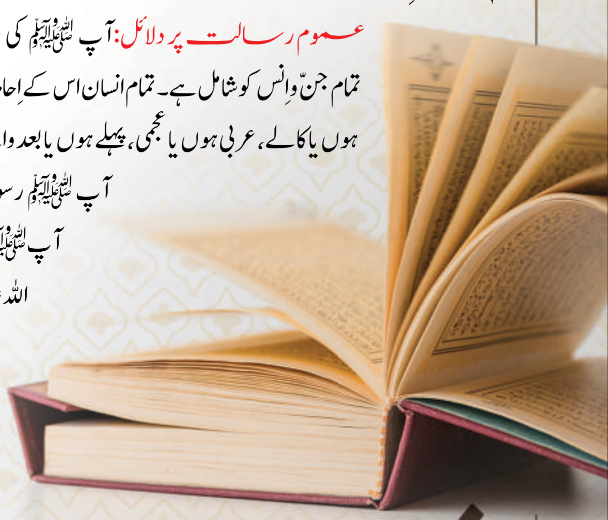

عمومِ رسالت پر دلائل: آپ ﷺ کی رسالتِ عامہ ہے، تمام جن وانس کو شامل ہے۔ تمام انسان اس کے احاطہ میں ہیں، گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی، پہلے ہوں یا بعد والے، سب کے لیے آپ ﷺ رسول ہیں اور وہ سب آپ ﷺ کے اُمتی ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآنِ مجید میں سورتِ سبا میں ارشاد فرماتے ہیں: اور اے محبوب! ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت کے تحت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بلا شبہ نبی کو تمام انسانوں کے لیے مبعوث کیا گیا، امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ (الشفاء)

لہٰذا یہ ایک کلیہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو قیامت تک کے لیے انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اس آیت کے تحت امام طبری رحمۃ اللہ علیہ تفسیر میں لکھتے ہیں: اے حبیب! (ﷺ)، ہم نے آپ کو صرف آپ کی قوم کے مشرکین کی طرف ہی رسول بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ آپ کو عربی، عجمی، گورے، کالے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل کی خوش خبری دینے والا اور کافروں کے لیے اس کے عدل کا ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے اور اپنی جہالت کی وجہ سے آپ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔

(نبی) کہہ دیجیے: اے لوگو! میں آپ سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر جو نبی ہیں، (کسی سے) پڑھے ہوئے نہیں ہیں، اللہ اور اس کی تمام باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پالو۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور رسول محمد (ﷺ) سے فرماتا ہے: محمد فرما دیجیے کہ لوگو! آپ سب کی طرف میں اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ یہ خطاب سرخ و سیاہ اور عربی و عجمی کے لیے ہے، یہ آپ کا شرف اور عظمت ہے کہ آپ خاتم النّبیّین ہیں اور تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

نبی اکرم ﷺ کا آخری نبی ہونا قطعی ہے: محمّد تمہارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

امام ابن جریر طبری اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ نے نبوت ختم کر دی، اس پر مہر ثبت کر دی گئی ہے، اب تا قیامت کسی کے لیے نہیں کھولی جائے گی۔ (تفسیر الطبری)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: فرمانِ باری تعالیٰ ہے: لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اللہ ہر چیز سے بہ خوبی واقف ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے، "اللہ تعالیٰ بہ خوبی جانتا ہے کہ رسالت کسے سونپے؟ یہ آیت نص ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو کوئی رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ مقامِ رسالت و نبوت میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، یعنی ہر رسول نبی ہوتا ہے، لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔" (تفسیر ابن کثیر)

ختمِ نبوت احادیثِ کریمہ کی روشنی میں: ختمِ نبوت کا ثبوت متعدّد متواتر احادیث سے ملتا ہے۔ علّامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں: اللہ نے آپ کو خاتم النبیین بنایا، یہ اللہ کی طرف سے آپ کے لیے اعزاز ہے اور دینِ حنیف کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اور رسول اللہ نے متواتر احادیث میں بتایا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

قصرِ نبوت کی آخری اینٹ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسولُ اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیا علیہم السلام کی مثال اس شخص کی طرح ہے، جس نے بہت حسین و جمیل ایک گھر بنایا، مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس کے گرد گھومنے لگے اور تعجب سے یہ کہنے لگے کہ اس نے یہ اینٹ کیوں نہ رکھی؟ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں (قصرِ نبوت کی) وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔" (مسلم)

آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو لپیٹ

عافیت؟

ام محمد مصطفی

علی اور افغان اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر جا رہے تھے، یہ ایک بڑی شاہراہ کے پاس اندرونی گلیوں کا علاقہ تھا۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ گلیوں میں عموماً اس وقت سناٹا ہونے لگتا ہے۔ ویسے بھی شہر کے حالات کے پیش نظر لوگ جلد گھر پہنچ جانے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ ایک زوردار آواز کے ساتھ سڑک پر کچھ بڑی اونچائی سے پھینکا گیا۔ اس آواز نے خاموش فضا میں چند لمحوں تک ارتعاش پھیلائے رکھا۔ اور پھر سکوت کے ساتھ ایک تعفن زدہ باس نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چوتھی منزل کے ایک گھر سے روزانہ کی طرح آج بھی کچرے سے بھرا شاپر پھینکا گیا تھا، پتا نہیں کچرا اٹھانے والوں کو پیسے دینا مشکل لگتا ہے یا راہ چلتے لوگوں کو اذیت دینے میں تسکین ہوتی ہے لیکن یہ معمول کئی علاقوں میں بہت سارے لوگ پوری پابندی سے ادا کرتے ہیں اور وہ شاید اسی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ سڑک پر جا بجا پھٹے ہوئے پیمپر، گند سے لتھڑے شاپر اور اسی طرح کی کچھ اور چیزیں ہوا میں عجیب کراہیت پھیلا رہی ہوتی ہیں۔ ایسے علاقے اب صبح سویرے عجیب منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں، جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں۔ کچرا اٹھانے والے جب آتے ہیں تب تک اسکول جانے والے بچے اسکول اور کام پر جانے لوگ دفتر جانے کے لیے کچرے کے ڈھیر سے گزرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

گلی محلوں میں گندگی کے یہ ڈھیر ایک عام بات تصور ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی گٹر اور نالوں کا نکاسی آب کا ناقص انتظام اس گند کے ساتھ مل کر مزید معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن اب اپنی مدد آپ کا زمانہ تو گویا اب خواب ہو کر رہ گیا ہے بلکہ ہر ایک اپنا گھر صاف ستھرا رکھنے کی فکر کرتا ہے۔

علی اور افغان گلی میں پھیلے کچرے سے بھرے شاپروں سے پاؤں بچاتے ہوئے جا رہے تھے، افغان گویا ہوا: "علی تم جانتے ہو؟ آج کل محلے کی ڈسپنسری پر بڑا رش رہنے لگا ہے۔"

"ہاں بھئی واقعی ڈاکٹر صاحب کی تو چاندی ہو گئی ہے۔" علی نے جواب دیا۔

کیوں نہ ہو؟ افغان طنزیہ نظروں سے گلی کی حالت دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں! آئے روز محلے میں کسی کو ہیضہ، تو کسی کو دمہ ہو رہا ہے مگر یہ رات کے سناٹے میں زوردار آوازوں کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہو رہا۔ سب بے چینی کی فضا پیدا کر کے چین ڈھونڈ رہے ہیں۔"

افغان افسردگی سے بولا۔

علی بھی تاسف سے سر ہلانے لگا کہ اسی اثنا میں ایک اور گولا نما تھیلا دھماکے دار آواز کے ساتھ ماحول میں ارتعاش بپا کر گیا۔

دیا اور میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔ (اور اس حدیث کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ) عنقریب میری امت میں تیس کذّاب ہوں گے، ان میں سے ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالاں کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

حافظ عراقی طرح التثریب میں لکھتے ہیں: نبی کریم کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کرے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت ختم ہو گئی، اب میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ کوئی نبی۔ (جامع ترمذی)

حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہُ نبی کریم ﷺ کے شمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ کے دو کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین تھے۔ (جامع ترمذی)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کے حضور لوحِ محفوظ میں خاتم النّبیّین (لکھا) تھا، جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ (مسند امام احمد)

دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے چھ وجوہ سے انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ (1) مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں۔ (2) رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔ (3) میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے۔ (4) تمام روئے زمین کو میرے لیے طہارت اور نماز کی جگہ بنا دیا گیا ہے۔ (5) مجھے تمام مخلوق کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہے۔ (6) اور مجھ پر نبیوں (کے سلسلے) کو ختم کیا گیا ہے۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ خاتم النّبیّین ہونا آپ کی صفتِ خاص ہے، جو آپ کو دیگر انبیا علیہم السلام سے ممتاز کرتی ہے۔

نام مبارک عاقب:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک میرے متعدّد نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں، میرے قدموں پر لوگوں کا حشر ہو گا، میں عاقب ہوں اور عاقب وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ (جامع ترمذی)

آپ ﷺ کی امت آخری امت ہے:

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، لہٰذا تم اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ نمازیں پڑھو، اپنے مہینے کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرو، اپنے حکّام کی اطاعت کرو (اور) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (معجم الکبیر)

قیامت میں دو انگلیوں جتنا فاصلہ:

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری بعثت اور قیامت کے درمیان اتنا فاصلہ ہے، جتنا دو انگلیوں میں ہے۔ (صحیح مسلم)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا اور دنیا کا باہمی کچھ ایسا ہے کہ ادھر میری بعثت ہوئی اور ادھر قیامت قائم ہوئی۔ (ابنِ عساکر)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ میری بعثت اور قیامت ایسی ہی ہے، جیسے انگشتِ شہادت اور بڑی انگلی، چناں چہ میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں، میں آخری نبی ہوں اور میری امت پر ہی قیامت قائم ہو گی۔ (صحیح ابن حبان)

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے متعدّد دلائل سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیّین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ آیا ہے اور نہ آئے گا۔

حضرت زوجۂ رکانہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

سہیمہ بنتِ عمیرؓ، رکانہ بن عبدِ یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف کی بیوی تھیں۔ ایک دن قریش کا قافلہ مکہ معظّمہ سے واپسی کے سفر پہ تھا۔ رات کا وقت تھا اور ساربان انھیں لیے چلے جا رہا تھا۔ قافلے کے لوگوں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں، سب کے دل بیت الحرام پہنچنے اور اپنے گھر والوں اور پیاروں سے ملنے کے لیے بے تاب تھے، مگر رکانہ بن عبدِ یزید کا ذہن اُلجھا ہوا تھا اور وہ محمد بن عبداللہ کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ وہ کیسے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ وہ ایک خدا کی عبادت کے لیے کیسے دعوت دیتے ہیں؟ کیا کسی نے ان کی پیروی کی؟ اور پھر بیتِ عتیق (خانہ کعبہ) نظر آنے لگا تو سب کے دل دھڑک اُٹھے اور بے تابیاں بڑھنے لگیں اور قافلہ حرم سے باہر ہی ٹھہر گیا تو اہلِ مکہ تیزی سے واپس آنے والوں کے استقبال کے لیے آ گے بڑھے اور کوئی کسی کو گلے رہا تو کوئی کسی کو چوم رہا اور رکانہ بن عبدِ یزید کی بیوی بھی آئیں، مگر ملاقات کی خوشی میں وہ پوچھنا نہیں بھولے۔

"کیا یہ سچ ہے جو میں نے سنا ہے کہ محمد ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس امت کے نبی ہیں اور لات اور عزّیٰ کی پرستش سے دست بردار ہونے کو کہتے ہیں اور۔۔۔؟"

رکانہ کی بیوی بولیں: "یہ سچ ہے۔"

رکانہ نے پھر سوال کیا، "کیا کسی نے اس کی پیروی کی ہے؟" رکانہ کی بیوی بولیں: "کچھ غلاموں اور فقیروں نے۔" رکانہ نے اپنے چاروں طرف دیکھتے ہوئے۔

"وہ ہیں کہاں؟" تو رکانہ کی بیوی انھیں تعجب سے دیکھنے لگیں کہ کیا پہلے اپنے گھر نہ چلیں؟ لیکن رکانہ بولے: "محمد ﷺ کہاں ہیں؟" تو ان کی بیوی نے جواب دیا: "مکہ کی چند گھاٹیوں میں۔" اور پھر رکانہ محمد ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تو مکہ کے کچھ پہاڑوں پر آپ ﷺ ان کو مل گئے، یہ ان سے کہنے لگے کہ "بھتیجے! مجھے تمہارے بارے میں کچھ خبر ملی ہے۔ تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔" رکانہ بن یزید نے اپنا سر ہلایا اور بولے: "تمہاری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے رکانہ! تم کیوں نہ خدا کا خوف کرو اور میری دعوت قبول کر لو؟" تو رکانہ بن یزید بولے: "اے محمد (ﷺ)! اگر مجھے یہ پتا چل جائے کہ جو کچھ تم کہتے ہو یہ سچ ہے تو میں تمہاری پیروی کر لوں گا۔۔۔ اور تمہاری سچائی کا علم تب ہو گا جب تم مجھے پچھاڑ دو گے۔" رکانہ مکہ کے سب سے زیادہ طاقت ور لوگوں میں سے تھے تو آپ ﷺ نے سوال کیا: "اچھا، اگر میں نے تمھیں پچھاڑ دیا تو کیا تمھیں میری سچائی کا یقین ہو جائے گا؟" رکانہ بن یزید نے موقع غنیمت جانا اور بولے: "بالکل!" تو اٹھو تا کہ میں تمہارے ساتھ کشتی کر سکوں تو ابولقاسم اٹھے اور ان کے ساتھ کشتی کی اور انھیں پچھاڑ دیا اور رکانہ بے بس ہو کر رہ گئے اور بولے: "دوبارہ کشتی کرو محمد (ﷺ)؟" تو آپ ﷺ نے انھیں پھر پچھاڑ دیا تو رکانہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھے اور بولے: "محمد (ﷺ)! قسم خدا کی! یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم نے مجھے پھاڑ دیا؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز چیز دکھا سکتا ہوں، اگر تم خدا کا خوف کرو اور میری پیروی کرو تو۔۔۔" رکانہ بولے: "بالکل!" اور دونوں ایک درخت کی طرف دیکھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ جو درخت تم دیکھ رہے ہو، میں اسے بلاؤں گا تو یہ میرے پاس آ جائے گا۔" تو رکانہ عبدِ یزید بولے: "بلائیے!" تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور وہ اُچھلتا کودتا آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی جگہ لوٹ جاؤ۔" تو وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ رکانہ بن یزید کو بہت تعجب ہوا اور انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا اور پھر وہ آندھی طوفان کی طرح وہاں سے روانہ ہوئے تو انھیں حرم کے پاس مجمع نظر آیا تو وہ بولے۔

"اے بنی عبدِ مناف! اپنے ساتھی یعنی رسول اللہ سے جادو میں مدد لیا کرو کہ قسم خدا کی! میں نے ان سے بڑا جادوگر آج تک نہیں دیکھا۔" (معاذاللہ!)

تو وہ پوچھنے لگے: "کیا کہنا چاہتے ہو۔"

تو انھوں نے ان لوگوں کو بتایا کہ انھوں نے کیا دیکھا اور محمد ﷺ نے کیا کیا؟ اور جب رکانہ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو ان کی بیوی نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر حیرت اور پریشانی کے بادل چھائے ہوئے تھے تو وہ بولیں: "تمہیں کیا ہوا؟" تو انھوں نے ان کو محمد (ﷺ) اور کھجور کے درخت والی بات بتائی، مگر آپ کے ساتھ اپنی کشتی کا کوئی ذکر نہیں کیا تو وہ بولیں: "نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے وہ صادق اور امین کہلاتے تھے۔" تو رکانہ نے اپنی بیوی کو بڑی پتھریلی نظروں سے دیکھا، مگر خاموش رہے۔ پھر نبی کریم ﷺ مدینہ کے لیے ہجرت کر گئے اور رکانہ نے بھی اسلام لانے کے لیے مدینہ منورہ روانہ ہونا چاہا تو ابو جہل بن ہشام انھیں ملا کہا: "کہاں جاتے ہو؟" رکانہ نے جواب دیا۔ "محمد ﷺ کے پاس۔" تو ابو جہل اپنے اونٹ کی لگام پکڑے ہوئے بولا: "اس کے پاس مت جاؤ، وہ تمہیں نماز پڑھنے کا حکم دے گا۔" تو رکانہ بولے: "اللہ تعالیٰ کی خدمت کرنا واجب ہے۔" تو ابو جہل بن ہشام بولا: "وہ تمہیں حکم دے گا کہ اپنا مال غریبوں کو دو" تو رکابہ عبدِ یزید بولے: "کسی کے ساتھ بھلائی کرنا واجب ہے۔" تو ابو جہل بن ہشام کہنے لگا: "وہ زنا کرنے سے روکتا ہے۔" رکانہ بولے: "میرے نزدیک یہ گناہ اور قابلِ مذمّت کام ہے اور مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

تو ابو جہل بولا: "وہ شراب پینے سے روکتا ہے۔" تو رکانہ بولے: "ہاں، یہ چیز میں نہیں چھوڑ سکتا۔" تو ان کی بیوی انھیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ بولے: "اور وہ شراب کو حرام قرار دیتے ہیں۔" تو ان کی بیوی بولیں: "ان کے پاس جائیے اور اجازت طلب کیجیے گا، ہو سکتا ہے وہ آپ کو اجازت دیں۔" اور پھر فتحِ خیبر کے بعد رکانہ اور ان کی بیوی سہیمہ بنتِ عمیر المزنیہ اسلام لے آئے اور آپ ﷺ نے ان کو "چالس وسق" کھجور سے نوازا۔ رکانہ بن عبدِ یزید رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بڑی پابندی سے شریک ہوتے تھے۔ ایک رات وہ گھر واپس آ رہے تھے تو ان کی بیوی سہیمہ ان سے پوچھنے لگیں: "رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا؟" رکانہ بن عبدِ یزید کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ"

ہر مذہب کی طبعی خصلت ہوتی ہے اور اس دین کی خصلت شرم و حیا کو قرار دیا ہے۔ سبحان اللہ!

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

اجرت سے زائد رقم دینے کا فیشن

سوال: آج کل ہمارے معاشرے میں ایک نئے فیشن کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ "ٹپ"، "بخشش" اور "اوپر کی آمدنی" کے نام سے کسی خدمت گار کو اس کی خدمتوں کے طفیل اس کے مقررہ معاوضے کے علاوہ فاضل انعام دیا جاتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: واضح رہے کہ کسی شخص کو اس کے مقررہ معاوضے سے زائد رقم دے دینا نہ صرف جائز، بل کہ مستحب ہے، لیکن اس سلسلے میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

1. لینے والوں کو اپنے مقرّرہ معاوضے سے زیادہ کی طمع اور حرص نہیں ہونی چاہیے۔
2. اگر کوئی شخص انعام نہ دے تو نہ اس سے مطالبہ کیا جائے، نہ اس کو بخیل سمجھا جائے کہ شرعاً یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔
3. جو چیز حرام کا ذریعہ بنے، وہ بھی حرام ہوتی ہے، مثلاً: پیشہ ورانہ طور پر بھیک مانگنا حرام ہے اور جو لوگ ان پیشہ ورانہ بھکاریوں کو پیسے دیتے ہیں، وہ گویا ان کو بھیک مانگنے کا خوگر اور عادی بناتے ہیں، اس لیے بعض علمائے وقت نے تصریح کی ہے کہ پیشہ ور بھکاریوں کا بھیک مانگنا ہی حرام نہیں، ان کو دینا بھی حرام ہے۔ اسی طرح اگر زائد رقم دینے کے ذریعے ان حضرات میں مطالبہ کرنے کی عادت پڑنے اور نہ دینے والے کو بخیل اور حقیر سمجھنے کا مرض پیدا ہو جائے تو یہ سب خود لائقِ ترک ہو جائے گا۔

جان چھڑانے کے لیے رشوت دینا

سوال: آج کل پولیس والے، لوگوں کو بلاوجہ تنگ کرتے ہیں۔ گاڑیوں کے کاغذات وغیرہ پورے ہونے کے باوجود کہتے ہیں کہ جرمانہ دو! یہ جرمانہ بطورِ رشوت کے لیتے ہیں۔ اگر جرمانہ نہ دیا جائے تو چالان کر دیتے ہیں، جس سے عدالتوں کی مصیبت گلے پڑ جاتی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر ایسی صورتِ حال میں کوئی آدمی رشوت دے کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے تو کیا وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا کہ رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں؟ اگر ایسا واقعہ پیش آجائے تو کیا کیا جائے؟

جواب: اپنی عزت بچانے کے لیے اگر مجبوری سے رشوت دینی پڑے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر پکڑ نہیں فرمائیں گے۔

ناجائز کمائی بچوں کو کھلانے کا گناہ کس پر ہوگا؟

سوال: ایک آدمی اپنے بچوں کو ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کھلاتا ہے، یہاں تک کہ بچے بالغ اور سمجھ دار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے باپ نے ہمیں حرام کی کمائی کھلائی تو کیا بچوں کو اپنے والدین سے الگ ہو جانا چاہیے؟ اگر بچے ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خود کما کھا سکیں تو بچوں کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا باپ کا گناہ بچوں کو بھی ہوگا؟

جواب: واضح رہے کہ بالغ ہونے اور علم ہو جانے کے بعد تو بچے بھی گناہ گار ہوں گے، لہٰذا ان کو اس قسم کی کمائی سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر الگ ہونا چاہیے، البتہ والدین کی خدمت اور احترام میں کوئی کمی نہ کریں اور ان کی ضروریات اگر ہوں تو ان کو بھی پورا کیا کریں۔

اپنی زندگی میں جائیداد کس نسبت سے اولاد کو تقسیم کرنی چاہیے؟

سوال: میری چھ اولادیں ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے: ۴ لڑکیاں شادی شدہ، ایک لڑکا شادی شدہ، ایک لڑکا غیر شادی شدہ۔ میری کچھ جائیداد ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اولاد میں سے جس جس کا جو حصہ شریعت کی رُو سے بنتا ہے، میں اپنی زندگی میں ہی اس کو حصہ دے دوں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ پہلے غیر شادی شدہ لڑکے کا حصہ نکال کر (یعنی شادی کے اخراجات) باقی جائیداد اور نقدی کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ ایک روز چاروں لڑکیاں اور چاروں داماد موجود تھے، میں نے ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا، چوں کہ چاروں لڑکیاں صاحبِ نصاب ہیں، انھوں نے متّفقہ طور پر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بہت دیا ہے، ہم چاروں اپنے حصے دونوں بھائیوں کو دینا چاہتی ہیں۔ اب فرمائیے کہ اس جائیداد کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں آپ اپنے غیر شادی شدہ لڑکے کے اخراجات نکال کر اس لڑکے کے حوالے کر کے باقی جائیداد اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام اولاد میں تقسیم کر سکتے ہیں، البتہ اس تقسیم کے لیے ضروری ہے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کو برابر کا حصہ دیں، نیز جو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ان کے درمیان تقسیم کریں، وہ ان کے قبضے میں دے دیں۔ اگر آپ نے جائیداد ان کے قبضے میں نہیں دی، بل کہ محض کاغذی طور پر تقسیم کی ہے اور جائیداد اپنے قبضے میں رکھی ہے تو آپ کے انتقال کے وقت وہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ جو آپ کے قبضے میں ہے، اس کی تقسیم میراث کے اصولوں کے مطابق ہوگی، یعنی لڑکی کا ایک حصہ اور لڑکے کے دو حصے۔ آپ کی لڑکیاں اگر اپنے حصے سے دست بردار ہونا چاہتی ہیں تو آپ اپنی تمام جائیداد اپنے لڑکوں کو دے سکتے ہیں۔ اس صورت میں اگر آپ نے لڑکوں کے درمیان جائیداد تقسیم کر کے ان کو قبضہ دے دیا تو آپ کے انتقال کے بعد آپ کی لڑکیوں کو اس میں حصے کا مطالبہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اگر آپ نے انتقال تک لڑکوں کو قبضہ نہ دیا تو آپ کے انتقال کے بعد لڑکیاں اس جائیداد میں اپنے حصے کا مطالبہ میراث کے اصولوں کے مطابق کر سکتی ہیں۔

جُنید امین

جُنید امین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

کایاپلٹ

بیگم ناجیہ شعیب

"ہماری مناہل کی آواز بلبل کی طرح سُریلی ہے۔ وہ تو کوئل کی طرح کوکتی ہے۔"

"ہاں ماشاء اللہ! مناہل بہت خوش الحان ہے، مگر افسوس! وہ اپنی اس خداداد صلاحیت کو ضایع کر رہی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"غیروں کی تقلید کرتے ہوئے۔۔۔" صباح نے جو بسمہ اور مناہل کی ہم جماعت ہونے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی مشترکہ سہیلی بھی تھی، انتہائی دکھی لہجے میں کہا۔

بسمہ نے حیرت سے اسے دیکھا اور زیرِ لب بڑبڑائی۔

"ہونہہ! تو تم بھی حسد میں مبتلا ہو۔" یہ کہتے ہوئے بسمہ نے صباح کو ملامت بھری نظروں سے گھورا اور اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ صباح اور مناہل ہم جماعت ہونے کے ساتھ ساتھ سگی خالہ زاد بہنیں بھی ہیں۔ یہ ان کے اسکول کا گراؤنڈ تھا، جہاں روز آدھی چھٹی یعنی بریک ٹائم پر ہری بھری نرم گھاس کے میدان کے ایک کونے میں دس بارہ طالبات مناہل کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے رہتیں۔ وہ سب مناہل سے اپنی اپنی پسند کے گانے سننے کی فرمائشیں کیے جاتیں اور مناہل مسکرا مسکرا کر بڑی خوش دلی سے ان کی فرمائش پورا کرنے میں بڑے ذوق و شوق سے مصروف رہتی۔ وہ لہک لہک کے بڑے جذب سے گانے گاتی تھی کہ ساری سہیلیاں تالیاں بجاتے ہوئے اسے ڈھیروں داد دیتیں۔ اتنی ساری داد و تحسین نے اس کا سیروں خون بڑھا دیا تھا۔ صباح یہ سب دیکھ کر دل ہی دل میں کُڑھتی رہتی، کیسے مناہل کی نادان خوشامدی سہیلیوں نے اس کی آواز کی تعریفیں کر کر کے اسے ساتویں آسمان پر چڑھا دیا تھا کہ وہ خود کو کسی مشہور گلوکارہ کی شاگردہ سمجھنے لگی تھی۔

بسمہ اور مناہل آپس میں سگی چچازاد بہنیں ہیں۔

مناہل بہت چھوٹی سی عمر سے ہی اپنی حسین آواز کی تعریفیں سن رہی تھی۔ گھر بھر کی لاڈلی، خاندان کی چہیتی، وہ مشکل سے مشکل گانا بہت آرام سے گا لیتی۔ سالگرہ ہو یا عقیقہ، شادی ہو یا ولیمہ، جشنِ آزادی ہو یا ربیع الاول گھر میں ہونے والی ہر چھوٹی بڑی تقریب میں بڑے اہتمام سے اس سے گانے، ترانے، غزل، قوالی سنانے کے لیے کھڑا کر دیا جاتا۔ ننھی بھولی بھالی مناہل چابی کی گڑیا کی طرح سُریلی آواز میں گنگنانا شروع کر دیتی تو سارے خوشی سے خوب تالیاں بجاتے، اس کا حوصلہ بڑھاتے۔

مناہل ایک ایسے مسلم گھرانے میں پیدا ہوئی تھی جو بس نام کے ہی مسلمان رہ گئے تھے۔

اس گھرانے میں مشہور تھا کہ موسیقی روح کی غذا ہے۔ سو خوشی کی تمام تقریبات میں آلاتِ موسیقی کا باقاعدہ انتظام کیا جاتا۔ ساز کے تال پر مناہل کی مسحور کن آواز کا جادو سر چڑھ کر بولتا۔ لوگ اَش اَش کر اٹھتے۔ اس گھرانے میں گانا بجانا ہنر اور فن سمجھا جاتا تھا۔ کسی کی آواز اچھی ہو اور اسے گانا بھی اچھا گانا آتا ہو تو اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ سو دیکھتے ہی دیکھتے مناہل کے خوش گلو ہونے کا ڈنکا گھر سے نکل کر خاندان بھر میں بجنے لگا۔ اسی خاندان میں ایک بزرگ خاتون زینب بی بی جو مناہل کی نانی تھیں اور بہت اللہ والی تھیں۔ پیارے نبی ﷺ کی سنتوں پر عمل کرتے ہوئے زندگی بسر کر رہی تھیں۔ آنکھوں دیکھی مکھی نگلنا کیسے گوارہ کر لیتیں، انھوں نے آواز اٹھائی کہ شریف گھرانے کی بچیوں کے ایسے لچھن کسی طور مناسب نہیں۔ یہی نہیں انھوں نے بیٹی داماد کو گھر بلایا: "میرے بچو! ناچ گانا مسلمانوں کو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ نبی کے امتیوں کا یہ شیوہ نہیں کہ ان کی بہو بیٹیاں مغنیہ کے روپ میں شمع محفل بنیں۔"

صد شکر کہ زینب بی بی کی بات ان کے دل و دماغ پر اثر کر گئی۔ مناہل کو سمجھا بجھا کر گانا گانے سے روک دیا گیا۔

◆◆◆

"خالہ جان! ہمارے گھر میں نعت خوانی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اپنی پوتی کو ضرور لے کر آیئے گا۔"

زینب بی بی کے بروقت ٹوکنے سے مناہل ناچ گانے سے تو باز رہی، مگر اس کی آواز کا چرچا زدِ عام ہو چکا تھا۔ آس پڑوس محلے سے بلاوا آنے لگا۔ کبھی محفل درود و سلام تو کبھی میلاد شریف۔ سو مناہل بی بی کو بڑے چاؤ سے محفلِ نعت میں بھیجا جانے لگا۔ خیر سے اسکول میں داخل کروایا تو وہاں بھی اس کی آواز کا شہرہ ہو گیا۔ حمد و نعت اور ترانہ پڑھنے کے لیے سب کی نگاہوں کا انتخاب ایک مناہل ٹھہرتی، جہاں مدعو کی جاتی رونقِ محفل مناہل ہوتی۔ گلی، محلے میں شامیانے لگوا کر اس سے مائک پر نعتیں پڑھوائی جانے لگیں۔ وہ یکسر بدل گئی تھی، اب وہ گانے نہیں نعتیں پڑھتی تھی۔ اسے دوسرے علاقوں سے نعتیں پڑھنے کے لیے بلاوے آنے لگے۔ تحفے تحائف، نذرانے، ہدیے سمیٹتے سمیٹتے وہ مشہور ٹی وی چینلز پر نعت خوانی کے خواب دیکھنے لگی۔ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے اس نے بڑے پاپڑ بیلے اور پھر گلی محلے کی محافل میں شرکت کرتے کرتے وہ ایک دن مہمانِ خصوصی کی مسند پر براجمان ہو گئی۔ ہر کوئی اسے پیشگی ادائیگی اور پیشگی بکنگ پر اپنے پروگرام میں بلانا چاہتا تھا۔

"میں پروفیشنل نعت خواں بننا چاہتی ہوں۔" امی بابا نے خوشی سے اجازت دے دی۔

مگر نانی نے یہاں بھی اعتراض کرتے ہوئے کہا: "مناہل! آپ کو نعتیہ محافل میں شرکت کی اجازت اس لیے دی گئی تھی کہ حقِ عاشقی ادا کر سکو، مگر تم اپنی آواز کا جادو غیر محارم کے کانوں میں انڈیل کر یہ تمنّا رکھتی ہو کہ تمہاری مغفرت کا سامان ہو، یہ تمہاری بھول ہے میری بچی!"

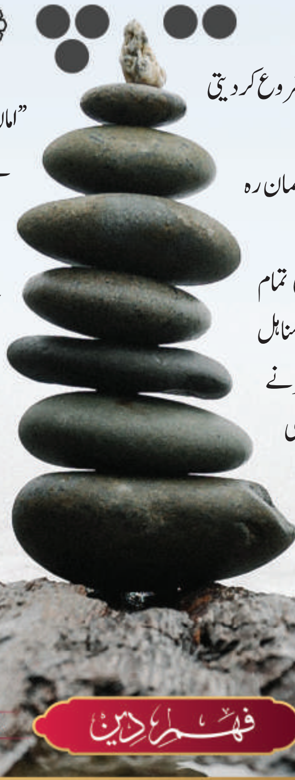

"اماں! دینِ اسلام میں ایسی تنگ نظری اور سختی نہیں۔ بچی نیک کام کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے، اسے دعا دیجیے، یہاں پند و نصائح کون سننا چاہتا ہے؟" زینب بی بی کی بات سنی ان سنی کر دی گئی۔ انھوں نے اپنے طور بہت سمجھایا، مگر بے سود رہا، وہ اپنی ڈگر پر چلتی رہی۔ اسے اپنے ماں باپ کی مکمل حمایت حاصل تھی، وہ بوڑھی نانی کی کیوں کر سنتی۔ زینب بی بی نے اس کی ہدایت کے لیے خصوصی دعائیں مانگنا شروع کر دیں اور ایک دن دعائیں مانگتے ہوئے وہ سجدے میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

مناہل کو اب کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ زینب بی بی کہا کرتی تھیں کہ "تعریف و توصیف کا بھوکا انسان خود پسندی میں مبتلا ہو کر خود پرستی کا تر نوالہ بن جاتا ہے۔"

● بقیہ صفحہ نمبر 23 پر

کچھ کواکب ہیں

تماضر ساجد

چولھا بند کر کے راضیہ نے احتیاط سے ڈھکن ہٹایا۔ چکن پلاؤ کی خوشبو سانس کے ذریعے اندر اتارتے ہوئے اس نے احتیاط سے دیگچے میں چمچ گھمایا۔ سنہری رنگت والا پلاؤ دیکھ کر منہ میں پانی آنے لگا۔ ایک بڑی پلیٹ میں پلاؤ نکال کر پلیٹ ڈھکتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کو آواز دی۔

"اسامہ ،ادھر آؤ بیٹا! اوپر والوں کے برتن واپس کر آؤ" اسامہ بھاگتا ہوا باورچی خانے میں داخل ہوا۔

"بہت مزے کی خوشبو آرہی ہے امی!"

"ہاں بیٹا، چاول تیار ہیں، بس یہ پلیٹ آنٹی کو پکڑا آؤ، اتنے میں، میں دسترخوان لگالوں۔" اسامہ سر ہلاتا پلیٹیں پکڑے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

◆◆◆

نئے محلے میں شفٹ ہوئے چند مہینے ہوئے تھے۔ پرانا محلّہ چھوڑتے ہوئے وہ سبھی اداس تھے۔ کئی سالوں کا ساتھ اچانک ہی چھوٹ گیا۔ نئے محلے میں جان پہچان تھی نہیں اور کسی نے ان کے گھر آنے کی زحمت بھی نہ کی۔ ان کی گلی کشادہ تھی، لیکن گلی والوں کے دل اتنے کشادہ نہ تھے کہ آپس میں میل جول میں وقت ضایع کرتے۔ ہر کوئی اپنے آپ میں مگن تھا، وہ جس گھر میں شفٹ ہوئے تھے، اس کی اوپر والی منزل پر بھی ایک فیملی رہتی تھی۔

ایک دن راضیہ ریفریجریٹر میں کچھ سامان رکھنے لگی تو اس کی ٹھنڈک کم محسوس ہوئی۔ پہلے پہل وہ یہی سمجھی کہ شاید کسی نے ریفریجریٹر کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہو، لیکن جب ریفریجرٹر سے پانی لیک ہونے لگا تو وہ فکر مند ہو گئی۔

کھانے کے بعد حاشر نے اسامہ باورچی خانے میں گیا تھا کہ اسے پکارنے لگا۔

"امی! امی! جلدی آئیں، یہ دیکھیں کیا ہوا؟"

"یا اللہ خیر!" کہتے ہوئے راضیہ اور حاشر دونوں باورچی خانے کی طرف بھاگے۔ اندر گئے تو دیکھا کہ ریفریجریٹر کے ارد گرد پانی کا جوہڑ بن چکا تھا۔ حاشر نے آگے بڑھ کر فریزر کھولا۔

"اوہو! یہ فریزر تو کافی گرم ہے۔ برف بھی پانی بن چکی ہے۔ فرج بند تو نہیں ہے؟"

ایک آدھ دن میں حاشر کے دوستوں کی دعوت متوقع تھی، اس لیے فریزر میں گوشت رکھا تھا۔ گرمی کی وجہ سے برف کی بھی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ مارکیٹ یہاں سے کافی دور تھی اور برف عام ملتی نہیں تھی۔ راضیہ اور حاشر دونوں فکر مند ہوگئے۔

"اسامہ! جاؤ اوپر والے ہمسایوں سے پوچھو، اگر ان کے فریزر میں جگہ ہو تو یہ گوشت رکھ لیں، میں مکینک کو بلاتا ہوں۔"

اسامہ تھوڑی دیر میں واپس آیا تو بھاگنے کی وجہ سے اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"امی! آنٹی کہہ رہی ہیں کہ ہمارے پاس فرج اور ڈیپ فریزر دونوں ہیں، کافی جگہ ہے، آپ نے جو چیز بھی رکھوانی ہے رکھوا دیں اور اگر ابھی برف کی ضرورت ہے تو وہ بھی مل جائے گی۔"

"اللہ انھیں جزائے خیر دے!" بے اختیار راضیہ نے انھیں دعا دی اور فریزر سے سامان نکالنے لگی۔

◆◆◆

اوپر منزل والی ہمسائی انیلا دریادل ثابت ہوئی تھیں۔ ان کے فرج کا سب ضروری سامان بخوشی فریزر میں رکھ لیا۔ فریج سے سامان منتقل کرنے اور پھر اسے دکان پر بھیجنے کے دوران گیس جاچکی تھی، لیکن انیلا نے نہ صرف سالن بھیجا، بلکہ تندور سے روٹیاں نکال کر ساتھ کر دیں۔ راضیہ گھر واپس آئی تو اس کے اخلاق کی گرویدہ ہوچکی تھی۔

◆◆◆

جب تک فریج ٹھیک نہ ہوا، راضیہ کا انیلا کے گھر آنا جانا لگا رہا۔ کبھی کچھ رکھنا ہوتا تو کبھی کوئی چیز نکالنی ہوتی، لیکن انیلا کے ماتھے پر ایک بل بھی نہ آیا۔ بعد میں بھی وہ کچھ نہ کچھ بنا کر راضیہ کو بھیجتی رہتی۔ انیلا کے بچے بڑے تھے، لیکن عمروں کے فرق کے باوجود دونوں کی اچھی دوستی ہوچکی تھی۔ اب ان کے گھر میں انیلا کے گھر والوں کا تذکرہ 'اوپر والے' کہہ کر کیا جاتا۔

ایک دن اسامہ گیند بلّا لیے گھر میں داخل ہونے لگا تھا کہ ان کے دائیں طرف والے ہمسائے امجد صاحب نے اسے آواز دی۔ اسامہ گیند بلّا دروازے پر رکھ کر ان کے پاس گیا۔

"جی انکل؟"

"بیٹا! آپ لوگ اپنے اوپر منزل والے ہمسایوں سے ملنے جاتے رہتے ہیں؟"

"جی انکل! ہمارا فریج خراب ہو گیا تھا تو ان کے فریج میں چیزیں رکھوائی تھیں، بس اس لیے آنا جانا ہے۔"

"بیٹا! آپ کو پتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں؟" انکل نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"انکل! ہم تو یہاں نئے آئے ہیں، اس لیے انھیں زیادہ نہیں جانتے۔" اسامہ نے اس عجیب و غریب سوال پر حیران ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ قادیانی ہیں بیٹا!" انکل نے دھماکا کیا۔

"قادیانی؟" دروازے پر اسامہ کا انتظار کرتی راضیہ کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے فوراً جا کر سوئے ہوئے حاشر کو بلایا اور امجد صاحب کی بات بتائی۔ اتنے میں اسامہ بھی اندر آچکا تھا۔

"یقین نہیں آتا۔" حاشر نے حیرت سے کہا۔

"وہ تو بڑے اچھے لوگ ہیں، اتنے پیار سے بات کرتے ہیں۔"

"یقین تو مجھے بھی نہیں آرہا، ہو سکتا ہے امجد صاحب کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ انیلا تو بتارہی تھی کہ وہ تہجد بھی پڑھتی ہے۔"

اس خبر نے ان تینوں کو حیران و پریشان کر دیا تھا۔ حاشر فوراً منہ ہاتھ دھو کر امجد صاحب سے بات کرنے نکل گیا۔ واپسی پر اس کی بات سن کر راضیہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

امجد صاحب نے بتایا کہ ان کا بیٹا یونین کونسل میں جاب کرتا تھا۔ انیلا کا ایک بیٹا کینیڈا میں تھا۔ کسی کام کے سلسلے میں امجد صاحب کے بیٹے کے پاس اس کا شناختی کارڈ آیا تو اسے ان کے قادیانی ہونے کے بارے میں پتا چلا، پھر محلے والوں نے مل کر تصدیق کروائی۔ محلے میں سے اسی لیے کوئی بھی ان سے نہیں ملتا تھا۔

حاشر اور راضیہ نے شکرانے کے نفل ادا کیے کہ اللہ تعالیٰ نے بروقت انھیں اس گھرانے کی حقیقت بتادی، ورنہ ان کے تعلّقات گہرے ہو جاتے تو بات کہاں تک چلی جاتی۔ راضیہ سوچ رہی تھی کہ ان باطل عقیدے کے حامل لوگوں کے اخلاق کی میٹھی چھری نہ جانے کتنے سادہ لوح مسلمانوں کو ایمان سے محروم کر سکتی ہے، لیکن دوسری طرف یہ مسلمان جن کو اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہونا چاہیے، وہ بنیادی اخلاقیات سے محروم کیوں ہیں؟

یہ کیسی یتیمی ہے

اریبہ راشد

ڈرے سہمے وجود کے ساتھ وہ گھر کے ایک کونے پر کھڑے ارد گرد کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، جب کچھ سمجھ نہ آیا تو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ آگے بڑھا۔۔۔اتنے سارے لوگ کیوں ہیں؟ مما کیوں سو رہی ہیں؟ سب مما کے پاس بیٹھ کر کیوں رو رہے ہیں؟ اتنے شور میں مما کیوں نہیں اُٹھ رہیں؟ یہ سفید چادر کیوں ڈالی ہوئی ہے؟ وہ سہما سہما سا آگے ہوا۔ عورتیں اسے جا بجا گلے لگا رہی تھیں، پر اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

مما اٹھو نا۔۔۔مما، مما۔۔۔اتنے سارے لوگ یہاں کیوں ہیں؟ آپ اٹھو نا مجھے ڈر لگ رہا ہے مما! وہ مسلسل اپنی ماں کو جھنجھوڑ رہا تھا پر وہ کیوں نہیں اٹھ رہی تھیں۔۔۔اس کی آنی اسے گود میں اٹھا کر اندر کمرے میں لے گئیں۔

"آنی آپ مجھے کمرے میں کیوں لائی ہیں؟ مجھے مما کے پاس جانا ہے۔ مما کیوں نہیں اٹھ رہیں؟ مما کو کیا ہوا ہے؟ مما نے مجھے کیوں جواب نہیں دیا؟ مجھے دیکھا بھی نہیں۔ کیا مجھ سے ناراض ہیں؟ آپ مجھے چھوڑیں میں مما کو سوری کہہ کر آتا ہوں، میں کبھی بھی تنگ نہیں کروں گا، ہمیشہ بات مانوں گا، بس ایک بار مجھے دیکھیں تو ایسا کریں آپ بھی میرے ساتھ چلیں، آپ مما کو کہیے گا نا کہ مجھ سے بات کرلیں، میری غلطی ہی بتا دیں، آنی چلیں نہ۔" وہ اب رونے لگا۔

"سفیان میرے بچے "آنی نے آنسوؤں کے اُمڈتے سیلاب کو روکتے ہوئے اسے سینے سے چمٹا لیا۔

وہ اپنے آپ کو چھڑاتا ہوا بھاگ کر کمرے سے نکلا اور باہر جا کر کھڑا ہو گیا، قریب سے مختلف آوازیں آ رہی تھیں۔

"کیا عمر تھی بے چاری کی، اتنی جلدی چلی گئی، 6 سال کا تو بچہ ہے، کیسے رہے گا ماں کے بغیر اچھے لوگ جلدی مر جاتے ہیں۔"

"کیا میری مما مر گئی ہیں؟ اب وہ کبھی مجھ سے بات نہیں کریں گی؟ میں کس کے پاس سوؤں گا، مجھے تو مما کے بغیر بہت ڈر لگتا ہے۔

نہیں نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، میں مما کو منا لوں گا، مما اٹھ جائیں گی۔۔۔وہ روتا ہوا چار پائی کے قریب آیا، مما سوری۔۔۔! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ جواب دیں مما۔۔۔اپنی ماں سے چمٹ کر وہ زار و قطار رونے لگا۔ بہت مشکل سے اسے بہلا پھسلا کے اندر لے گئے روتے روتے وہ سو گیا۔ بہت چھوٹی عمر میں بہت بڑا غم دیکھا تھا مگر زندگی اور موت اللہ کی طرف سے ہے۔ اس حقیقت کو تو آخر تسلیم کرنا ہی تھا۔

سفیان کی کل کائنات اب اس کا باپ تھا۔ بہت خاموش حساس ۶ سال کا سفیان، اب اپنے باپ کو کھونے سے ڈرتا تھا۔ قسمت نے اس سے بہت قیمتی چیز لے لی تھی، اس کی ماں!!!!

سفیان کی پرورش کے لیے فرحان صاحب نے دوسری شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے اپنی ماں کی جگہ کسی کو دینا بہت مشکل تھا، لیکن وقت نے اسے وقت سے پہلے بڑا کر دیا تھا، وہ اس فیصلہ پر رضامند تھا، سادگی سے نکاح ہوا۔ بابا کی نئی دلہن اور اس کی نئی مما ملیحہ، اب ان کے گھر میں آ گئی تھیں۔

قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔۔۔وقت نے اسے سنجیدہ بنا دیا تھا، وہ شرارتیں کرنا بھول گیا تھا۔ آج اس کے بابا نے اسے بہت بُرا ڈانٹا تھا، نئی مما نے شکایت لگائی تھی اور وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ اپنی غلطی کھوجنے میں لگا ہوا تھا۔ آئے دن بلاوجہ کی ڈانٹ ڈپٹ اب روز کا معمول بن گئی۔ ایک سہما ہوا بچہ مزید وحشت کا شکار ہو گیا۔ آخر وہ ہوا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"سنیں فرحان۔۔۔! آپ کے لیے ایک خوش خبری ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" فرحان نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہمارے گھر میں نیا مہمان آنے والا ہے۔"

"واقعی!! مجھے یقین نہیں آ رہا، کیا تم سچ کہہ رہی ہو۔ تم نے تو مجھے خوش کر دیا آج! تم جو مانگو گی وہ دوں گا، بتاؤ کیا چاہیے؟"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے آپ سے، لیکن بس میں اب مزید سفیان کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتی۔"

"لیکن کیوں ملیحہ؟"

"میں خود کو دیکھوں یا اس کو سنبھالوں، آخر میری بھی کوئی زندگی ہے۔ میں اپنی آنے والی خوشیوں کو اس کے لیے قربان نہیں کر سکتی۔ مجھے اپنے لیے وقت ہی نہیں ملتا ہے، آپ پلیز اس کا کوئی انتظام کریں اور جلدی سوچ کر فیصلہ کرلیں، آپ کو کسی ایک کو تو چھوڑنا پڑے گا۔"

ملیحہ نے یہ بات بالکل ایسے وقت کہی تھی، جب اسے اچھے سے اندازہ تھا کہ فرحان اسے اب نہیں چھوڑ سکتا۔

کمرے سے گزرتے ہوئے سفیان کے کانوں نے یہ آخری جملہ سن لیا تھا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے جا رہا تھا کیا بابا بھی مجھے چھوڑ دیں گے؟ نہیں وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، وہ نئی مما کو سمجھا لیں گے، وہ ایسا نہیں کریں گے، میں ان کا ایک ہی تو بیٹا ہوں، لیکن اگر مجھے چھوڑ دیا تو میں کہاں جاؤں گا؟ نہیں، میں اب بابا سے جدا نہیں ہو سکتا، مما بھی نہیں ہیں، میں کس سے اپنی ساری باتیں کروں گا۔"

چھوٹا سا ذہن ان گنت وساوس کا شکار تھا۔ دو تین دن خاموشی سے گزر گئے۔ فرحان سوچوں میں گم رہتا اور سفیان کے ننّھے سے دل پر ہر وقت یہ خوف طاری رہتا کہ اگر بابا نے مجھے چھوڑ دیا تو۔ اس کے آگے اس کا ننّھا ذہن کچھ نہیں سوچ پاتا تھا۔ فرحان نے بالآخر فیصلہ کر لیا۔

اب وہ سفیان کے ماموں جاوید صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔

"جاوید صاحب! آپ سفیان کو رکھ لیں۔" جاوید صاحب کا دل اچھل کر منہ کو آ گیا۔

"یہ کیسا مذاق ہے فرحان!" انھیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"جاوید صاحب! میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔"

"کیسا سوچا سمجھا فیصلہ، آپ کو اندازہ بھی ہے کہ آپ کیسی بچکانہ بات کر رہے ہیں۔" جاوید صاحب کا خون کھول رہا تھا۔

"آپ میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کریں، میں دن بھر آفس میں ہوتا ہوں۔ ملیحہ سے نہیں سنبھالا جاتا سفیان! ایسے میں وہ وہاں کیسے رہ سکتا ہے!"

"فرحان تم اپنی ذمہ داری سے منہ موڑنے کو مجبوری کا نام دے رہے ہو۔" "تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ تم کیا بول رہے ہو۔ تم سمجھاؤ اپنی بیوی کو، شادی کس لیے کی تھی تم نے؟ وہ جانتی تھی نا کہ تمہارا ایک بچہ بھی ہے، جب ساری صورتِ حال اس کے سامنے تھی تو اب وہ کیوں رکھنے سے منع کر رہی ہے اور اگر وہ مان نہیں رہی تو تم کیوں نہیں سمجھاتے، تمہارے گھر میں رہتے ہوئے کیا وہ تمہاری بات بھی نہیں سنے گی؟"

"آپ کو کیا لگتا ہے جاوید صاحب! میں نے نہیں سمجھایا ہوگا؟"

"نہیں فرحان! تم نے نہیں سمجھایا۔" جاوید صاحب نے چیختے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے سمجھایا ہوتا تو تم یہاں نہ بیٹھے ہوتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے اپنی ذمہ داری سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"یہی سمجھیے جاوید صاحب! یہ میری مجبوری ہے، سفیان کو یہاں اچھی پرورش ملے گی۔" یہ فرحان کے ضمیر کو تسلی دینے والے جملے تھے۔

"کیسے خود غرض باپ ہو تم فرحان! بیٹا ہے وہ تمہارا اور اس کو تم کل کی آئی ہوئی عورت کے لیے چھوڑ دو گے اور تمہیں لگتا ہے کہ اس کی یہاں اچھی تربیت ہوگی اپنے باپ کے بغیر۔۔۔؟ کیا وہ یہ سہہ پائے گا؟ کیوں اسے ایک اور امتحان سے گزارنا چاہتے ہو فرحان! افسوس ہے تم جیسے باپ پر۔" جاوید صاحب کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ ایک آگ تھی جس میں ان کا وجود جھلس رہا تھا، یہ سوچ کر کیسے سامنا کریں گے سفیان کا، اس کے سوالات کے کیا جواب دیں گے؟ سوائے خاموشی اور افسوس کے کیا تھا ان کے پاس۔

سفیان اپنے ننھیال آ چکا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی، جگر چھلنی ہو رہے تھے، ابھی بہن کے غم سے نہ نکلے تھے یہ کیسی قیامت ٹوٹی تھی۔ اس معصوم بچہ کی تو دنیا اجڑ گئی تھی، وہ یتیم نہ ہو کے بھی یتیم ہو گیا تھا۔

کیا اسے کوئی اس بات کا جواب دے سکتا تھا کہ اس کے باپ نے اسے کیوں نہ رکھا اپنے ساتھ؟

کیا وہ دوسرے بچوں کو دیکھ کر احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوگا۔۔۔؟

کیا اسے یہ احساس پل پل نہ مارے گا کہ اس کی ماں تو مر گئی اور اس کا باپ بھی اسے چھوڑ گیا؟

ماں کا مر جانا تو قسمت کا لکھا تھا، لیکن باپ کے چھوڑنے کے غم کا مداوا کیسے ہوگا؟ کیسے صبر آئے گا، یہ سوچ کر کہ باپ زندہ ہوتے ہوئے اس کے لیے مر گیا؟

کیا وہ خلا جو اس کے دل میں پیدا ہو گیا، کبھی پُر ہو پائے گا۔۔۔؟

کیا وہ دنیا میں سر اٹھا کر جی پائے گا۔۔۔؟

اپنے نام کے ساتھ جڑا اپنے باپ کا نام اسے ہر وقت کی تکلیف نہ دے گا۔۔۔؟

بے شمار سوالات ہیں، مگر کوئی جواب نہیں۔۔۔!

ایسی بہت سی دکھ بھری داستانیں آپ کو اپنے معاشرے میں نظر آئیں گی۔

کیوں فرحان جیسے مرد اپنے ذمہ داری سے منہ پھیرتے ہیں؟ کیوں ملیحہ جیسی عورتوں کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ کل کو اگر ان کی اولاد کے ساتھ یہی مکافاتِ عمل ہوا تو۔۔۔؟

کیا قصور ہے سفیان جیسے بچوں کا؟ صرف یہی کہ ان کی ماں مر گئی۔۔۔

ایک آخری سوال!!!

ماں مر جائے تو کیا باپ بھی مر جاتا ہے۔۔۔؟

بقیہ

کایا پلٹ

لوگ مناہل کی خوب صورت آواز سننا چاہتے تھے۔ اس نے اپنی آواز کو خوب کیش کروایا۔ وہ باقاعدہ نعت خواں بن گئی تھی۔ ملکی و غیر ملکی دوروں پر جانے لگی۔ وہ خوب سج سنور کے، گجرے پہن کر پھولوں کے ہار سے لدی پھندی، خوشبوؤں سے مہکتی لہک لہک کر اپنی دل کش اور حسین آواز میں حمد و نعت خوانی کی محفلیں سجاتی! نام، شہرت و مقبولیت اور پیسا سب اس کے قدموں میں ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ سب کچھ اس کی خواہش کے مطابق چل رہا تھا کہ ایک دن ٹی وی چینل پر ریکارڈنگ کے بعد بسمہ اور مناہل کی ملاقات صباح سے ہو گئی۔ وہی صباح جس کے متعلق بسمہ نے کہا تھا کہ تم بھی اوروں کی طرح مناہل کی حسین آواز سے جلتی ہو، جبکہ حقیقت یہ تھی کہ صباح کو مناہل کے گانا گانے کا بہت رنج تھا، اس نے دل کی گہرائیوں سے مناہل کی ہدایت کے لیے دعا کی تھی، جو یقیناً قبول ہوئی۔ بسمہ صباح کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرائی اور بولی: "صباح! دیکھ لو میری کزن آج ایک مشہور و معروف نعت خواں ہے۔" صباح پھیکے انداز میں گویا ہوئی۔

"نہیں پیاری! ابھی بھی اس نے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔" گویا صباح کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ مناہل آسمان سے گر کے کھجور میں آ اٹکی ہے۔

"کیوں جل بھن رہی ہو؟ جب وہ گانے گاتی تھی، تمہیں شکایت تھی کہ وہ غیر شرعی کام کرتی ہے۔ آج جب وہ گانا چھوڑ کر عشقِ رسول ﷺ میں جھوم جھوم کر نعتیں پڑھ رہی ہے تو تب بھی تمہیں مسئلہ ہے۔"

"مسئلہ؟ نہیں نہیں۔ میں تو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ حقیقی عاشق اپنے محبوب کی ایک ایک ادا، معمولی سے معمولی بات کو سر آنکھوں پہ رکھتے ہیں۔ پر۔۔۔ یہ کیسا دعوائے عشق ہے؟ ایسے ہوتے ہیں عاشقِ رسول ﷺ جو اپنے محبوب نبی ﷺ کا دل دکھانے والے کام کرتے ہیں؟"

مناہل جواب تک خاموشی سے کھڑی دونوں کی باتیں سن رہی تھی ایک دم غصے میں آ گئی اور ہونٹ بھینچ کر بولی: "کیا مطلب صباح؟ خواتین کی محافل میں میرا نعتیہ کلام پڑھنا پیارے نبی ﷺ کا دل دکھانا ہے؟" صباح نے بہت تحمل سے مناہل کا ہاتھ تھاما۔ نرمی سے سہلاتے ہوئے بولنے لگی۔

"میری پیاری سہیلی! غیر محرم مردوں تک اپنی آواز پہنچانا، خوب سج دھج کر ٹی وی چینل پر آنا۔ یہ سب نبی کریم ﷺ کی سچی امتی کو زیب دیتا ہے؟" مناہل کا ہاتھ کپکپایا، بس! وہ ایک ساعت تھی، جب مناہل کی کایا پلٹ گئی۔ اسے ایک ایک کر کے نانی کی ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ آہ! میری پیاری نانی وہ انھیں یاد کر کے آبدیدہ ہو گئی۔

مناہل آج بھی جھوم جھوم کر نعتیں پڑھتی ہے، مگر اپنی آواز کیش نہیں کرواتی۔ اسے اپنے سوہنے نبی ﷺ سے سچا عشق ہو گیا ہے اور سچے عاشق نبی ﷺ اپنے محبوب کا دل دکھانے والا کوئی کام نہیں کرتے۔ وہ محفلوں میں نہیں، تنہائی میں اپنے پیارے نبی جی ﷺ کی شان میں قصیدے پڑھتی ہے۔ درود و سلام کے موتیوں سے مالا پروتی ہے۔ نام و نمود، دکھاوے و ریاکاری سے بالاتر ہو کر کیوں کہ اسے مقصود ہے، بس ان (ﷺ) کی رضا!!!

بیت السلام ٹیک پارک

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

Free of Cost

PSDC Professional Software Development Certification

JS | TS | React | node JS

baitussalam.org/tech-park

bwt.ngo/register-techpark

Follow us
BaitussalamWelfareTrust

UAN
+92 21 111 298 111

Visit
Baitussalam.org

شمائلہ شکیل

تلاش

خوش نصیب یا خوش قسمت لوگ کون ہوتے ہیں؟ یہ کیسے دکھتے ہیں؟اور کیسی زندگی گزارتے ہیں؟میں اکثر اپنے ان سوالوں پر غور کرتا رہتا تھا۔ایک دن یہ سوالات میرے دماغ پر ایسے سوار ہوئے کہ میں ان کے جوابات کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

چناں چہ میں ایک مشہور و معروف ڈاکٹر کے پاس جا پہنچا۔ (جس سے ملاقات کا موقع مجھے بڑی مشکل سے حاصل ہوا تھا۔)

رسمی باتوں کے بعد میں نے کہا کہ "ڈاکٹر صاحب! آپ تو بڑے خوش نصیب ہیں" میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھے کہ "کہاں کی خوش نصیبی؟ میرا بیٹا ذہنی طور پر معذور ہے۔ نوکروں کی موجودگی کے باوجود میری بیوی دن رات اس کی دیکھ بھال میں لگی رہتی ہے۔اس کو کھانے پینے تک کا ہوش نہیں ہے۔اس کی ایسی حالت دیکھ کر ہم ہر وقت کُڑھتے رہتے ہیں۔کاش کہ میرا بیٹا بھی نارمل لوگوں کی طرح ہوتا۔"

اس کے بعد میں اپنی ایک یونیورسٹی کی پروفیسر سے ملنے پہنچ گیا جو نہایت نفیس خاتون ہیں۔ ایک شان دار بنگلے میں رہائش پذیر اور بہت ہی لگژری زندگی گزار رہی ہیں، جب میں نے ان سے ان کی خوش نصیبی کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگیں کہ "میرا شوہر ایک بے روزگار شخص ہے، جس کے تمام اخراجات بھی میں پورے کرتی ہوں اور معاشرے میں ایک بے روزگار شخص کی بیوی کے طور پر پہچانی جاتی ہوں۔ تمہارے خیال میں کیا وہ عورت خود کو خوش نصیب تصوّر کر سکتی ہے، جس کا شوہر اپنی ذمے داریوں سے بھاگتا ہو؟"

"جناب! ماشاءاللہ! آپ کا کاروبار دوسرے ممالک میں بھی پھیلا ہوا ہے۔ کتنے ہی لوگ آپ کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے آپ کو سینکڑوں لوگوں کے روزگار کا ذریعہ بنایا ہے۔آپ کیسا محسوس کرتے ہیں؟" ایک بزنس مین کے سامنے بیٹھا میں اپنے جوابات کھوج رہا تھا۔

"آپ کی ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں، لیکن یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، جتنا آپ کو نظر آرہا ہے۔ ایک تو ذمے دار ملازمین کا حصول مشکل ہے۔ دوسرا پاکستانی زرِ مبادلہ کے ذخائر میں کمی کی بنا پر ہمارا بھاری مالیت کے سامان کا کینٹینر کئی مہینوں سے بندرگاہ پر کلیرنس کا منتظر ہے۔ وفاقی وزیرِ خزانہ امپورٹرز کے مسائل سننے کو تیار نہیں۔ تم ہی بتاو ان حالات میں کیسا محسوس کیا جا سکتا ہے؟"

میں لاجواب سا ہو کر یہاں سے بھی نکل آیا۔

تِشنگی بڑھتی جا رہی تھی۔ بے بسی کا احساس کسی کروٹ چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ سوالات زہریلے ناگ کی طرح ہر وقت ڈستے رہتے تھے۔ میرے اندر کی بے چینی مجھے نگر نگر گھما اور دربدر بھٹکا رہی تھی۔ میں نے ایک سیاست دان سے لے کر نائی، موچی اور بے تحاشا دولت مند سے لے کر فقیر تک کے دروں کی خاک چھانی، لیکن مَن کی آگ بجھانے کا کوئی سامان نہ ہوا۔

ایک دن میں خیالات کے تانے بانے بنتا، بے دھیانی سے کار دوڑاتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اچانک لگنے والے جھٹکے نے مجھے خیالوں کے بھنور سے باہر لا پٹخا۔ میں نے گڑبڑا کر بریک پر پاں رکھا اور کار سے باہر نظریں دوڑائیں تو یہ دیکھ کر چونک اٹھا کہ شہر کے پختہ روڈ کی بجائے ایک کچی سڑک میری ہم سفر تھی۔ میں حیرت زدہ سا گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ سڑک کے دونوں جانب ہرے بھرے کھیت تھے۔ دور دور، اِکّادُکّا، کہیں کہیں کچے پکے مکانات نظر آرہے تھے۔ تقریباً دو فرلانگ کی دوری پر پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی مسجد تھی اور مسجد کے سامنے پیپل کے گھنے سایہ دار درخت کو دیکھ کر مجھے گرمی کا احساس ہوا۔

"کیا بات ہے بیٹا! کوئی پریشانی ہے کیا؟"

میں ایک نرم اور شفیق آواز سن کر پیچھے مڑا تو سامنے ایک لمبے قد اور مضبوط جسامت کے مالک بزرگ آدمی کھڑے تھے۔ان کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

"بابا جی! میں شہر کا رہنے والا ہوں۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ کیسے بلا ارادہ اِدھر آنکلا" میں نے صاف گوئی سے کہا۔

"اگر آ ہی گئے ہو تو دو گھڑی ستالو، آؤ میرے ساتھ۔!" یہ کہہ کر وہ بزرگ آگے بڑھ گئے۔ میں بھی چاروں ناچار ان کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ ہی دیر میں ہم دونوں پلستر سے بے نیاز، پکّی اینٹوں سے بنے چھوٹے سے ایک مکان کے سامنے کھڑے تھے۔ بابا جی نے لکڑی کے بوسیدہ سے دروازے کو دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر داخل ہو کر انھوں نے مجھے بھی آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، جو یقیناً بیٹھک کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔اس میں فرنیچر کے نام پر بغیر بستر کے، بان کی بنی ہوئی دو چار پائیاں رکھی تھیں۔ کمرے کا فرش مٹی کا تھا۔ چھت پنکھے سے خالی تھی۔ چند منٹ ہی گزرے تھے کہ بابا جی اندر سے سلور کے جگ اور گلاس میں پانی لے آئے اور دونوں چیزیں مجھے تھما کر دوبارہ گھر کے اندر چلے گئے۔اب کی بار ایک چنگیر میں روٹیاں، دال اور اچار لے کر آئے اور میرے سامنے رکھ کر بولے: "بیٹا! کھانا کھالو۔۔۔"

کھانے کا ذائقہ بالکل نیا اور لطیف سا تھا۔

کھانے کے بعد بابا جی بولے: "پتر! باہر درختوں کے نیچے چلتے ہیں، وہاں تمہیں گرمی نہیں لگے گی۔"

چناں چہ ہم باہر درختوں کے نیچے رکھی چارپائیوں پر لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔ بابا جی کے پاس بتانے کو بہت کچھ تھا۔ بابا جی کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ نہایت مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔

"بابا جی! آپ لوگوں کو گیس اور بجلی کے بغیر زندگی مشکل نہیں لگتی؟"

"کیسی مشکل؟اس نے ہوا کے لیے اتنے گھنے سایہ دار درختوں سے نوازا ہے اور آگ جلانے

بقیہ صفحہ نمبر 27 پر

رمیز ٹیب پر پسندیدہ گیم کھیلنے میں مگن تھا۔ اُس کے پاپا دونوں ہاتھوں کی چٹکیوں میں اتوار کا اخبار تھامے صوفے پر نیم دراز تھے۔ ہلکی آواز میں ٹی وی پر کسی شو کا نشر مکرر چل رہا تھا۔ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے شوق میں سب مہمان بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے۔ تبھی مسلسل بجتے موبائل فون کی آواز ان کے کانوں پر ناگوار گزرنے لگی۔

"پاپا! انکل کریم کی کال ہے۔" رمیز پتا نہیں کب کمرے سے ان کا موبائل اٹھا لایا تھا۔

"تمھیں کس نے کہا یہ بلا اُٹھالانے کو؟ چھٹی کے دن بھی لوگ سکون نہیں لینے دیتے۔" بڑبڑاتے ہوئے انھوں نے موبائل تھاما، تب تک کال بند ہو چکی تھی۔

"شکر ہے بند۔۔۔" الفاظ ان کے منہ میں تھے کہ موبائل پھر سے بجنے لگا۔

"یا اللہ! جب بھی یہ بار بار فون کرتا ہے، اِسے مدد درکار ہوتی ہے۔ توبہ! اور کوئی نظر نہیں آتا کیا؟ رضی یہاں آؤ، اپنے انکل سے بات کرو۔ میرا پوچھے تو کہنا کہ ابو ضروری کام سے باہر گئے ہیں اور موبائل گھر میں چارجنگ پر لگا تھا۔ سمجھ گئے؟" رضی نے اثبات میں سر ہلایا تو انھوں نے کال اوکے کر کے موبائل اُس کی طرف بڑھا دیا۔ تیرہ سالہ رمیز کو گھر میں سب پیار سے رضی کہتے۔

"ہیلو" کے بعد اُس نے من و عن وہی کہا جو اسے سمجھایا گیا تھا۔ کبھی دروازے پر جا کر ایسے پیغام دینا تو کبھی کال پر۔۔۔ وہ اس کام میں خوب ماہر ہو چکا تھا۔

"پتا نہیں انکل! میں بتا دوں گا۔ اللہ حافظ" رضی نے "واپسی کب تک ہوگی، میری کال آئی تھی، بتا دینا" کا جواب دیا تھا۔

"شکر ہے جان چھوٹی۔ غضب خدا کا، مہنگائی اتنی بڑھ گئی ہے۔ کیا بنے گا اس ملک کا، اندازہ کرو۔۔!" اخبار پڑھتے ہوئے انھوں نے خود کلامی کی۔

"بہت مشکل حالات ہیں، روٹی پوری نہیں ہوتی، صاب جی تنخواہ بڑھا دیں۔" صفائی کرتی ماسی نے تبصرہ سنا تو جھٹ سے اپنا دُکھڑا رو یا جو کمرے سے نکلتی بیگم صاحبہ نے سن لیا۔

"پیسے کیا درختوں پر اُگتے ہیں؟ مہنگائی ہمارے لیے بھی ہوئی ہے۔ اپنے خرچے کم کرو، صبر و شکر سے گزارا کرو اور جلدی ہاتھ چلاؤ، ابھی کپڑے بھی دھونے ہیں۔" سخت جواب پر دل ہی دل میں انھیں کوستی ہوئی وہ وہاں سے چل دی۔ بیگم صاب ہر کام کا حساب رکھتی تھیں۔ ایک بھی چھٹی فالتو ہو جاتی تو تنخواہ سے پیسے کاٹ لیتیں۔

"توبہ! یوں کام کرتی ہے، جیسے احسان کر رہی ہو۔ پورا معاوضہ دیتے ہیں، مگر نخرے اور فرمائشیں ہی ختم نہیں ہوتیں۔۔۔" بڑبڑاتی ہوئی وہ صوفے پر آ بیٹھیں اور ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر چینل بدل ڈالا۔

"آپ کا ہوم ورک آج پھر مکمل نہیں۔ کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟" ٹیچر کی ڈانٹ کا رمیز پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ آئے روز کے بہانے اور ڈرامے دیکھ سن کر جہاں اساتذہ اس سے پریشان تھے، وہیں وہ سرزنش سے ڈھیٹ ہوتا گیا۔

"آپ کی ڈائری پر لکھ رہی ہوں۔ اپنی مما کو کہیے گا وہ کل اسکول آئیں۔"

"ٹیچر! مما نہیں آسکتیں۔" اُس نے سر جھکاتے ہوئے کہا تو وہ چونکیں۔

"کیوں؟"

"ماما بہت بیمار تھیں، اسپتال میں رہیں۔ پریشانی میں ہوم ورک بھی نہیں کر سکا۔"

"اوہ! کیا ہوا آپ کی ماما کو؟" ٹیچر نے پوچھا تو گھبرا گیا۔ یہ تو اُس نے سوچا نہ تھا۔ اُس نے چہرے پر بے چارگی طاری کی تو ٹیچر نے مزید کوئی سوال نہ کیا۔

شام میں حسبِ معمول صوفے پر لیٹا، وہ ٹیب پر گیم کھیل رہا تھا جب ماما نے ٹوکا: "رضی ہوم ورک مکمل کر لیا؟ جلدی اپنی ڈائری لاؤ۔ دیکھوں کیا ہوم ورک ملا ہے، پھر آپ کے پاپا کے ساتھ مجھے ڈنر پر بھی جانا ہے۔"

"ماما! فکر نہ کریں۔ تھوڑا سا ہوم ورک ہے، وہ میں خود کر لوں گا۔" اُس نے بے فکری سے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ دادو گھر پر ہوں گی کوئی کام ہو تو انھیں بتا دینا۔" اُسے سمجھا کر وہ تیار ہونے چل دی تھیں۔

اگلے روز ماما نے اُسے اسکول کے لیے اٹھایا تو وہ پیٹ پکڑ کر کراہنے لگا: "بہت تکلیف ہے ماما، اسکول نہیں جاسکتا۔ ہائے میرا پیٹ۔۔۔"

"اوہو! باہر سے کچھ اُوٹ پٹانگ منگوا کر کھا لیا ہوگا۔ اچھا ٹھیک ہے، چھٹی کر لو!" اجازت ملتے ہی وہ پھر سے سونے کے لیے لیٹ گیا۔

ضروری کاموں سے فارغ ہو کر انھوں نے ماسی کو ہدایت کی "رضی اٹھے تو اُسے ناشتا کروا دینا۔ مجھے کام سے جانا ہے۔" انھیں اپنی سہیلی سے ملنا تھا۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھیں کہ موبائل پر رضی کے اسکول سے کال آنے لگی۔

"ہیلو! جی رمیز کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سوری اطلاع نہیں دے سکی۔ جی میں ٹھیک ہوں۔ ہیں۔ کیا ہوا تھا۔ مطلب؟" دوسری طرف سے کچھ بتایا جا رہا تھا۔ کال ختم ہوتے ہی کچھ دیر وہ ہکا بکا بیٹھی رہیں۔ انھیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کریں۔ کچھ دیر بعد انھوں نے اپنے شوہر کو کال ملائی تھی۔

ایک آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں اپنے بیٹے کے اسکول پہنچ گئے۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! آیئے بیٹھیے۔" رمیز کی کلاس انچارج میڈم روحی نے کہا۔

"اچھا کیا کہ آپ دونوں تشریف لائے۔ چند ماہ سے سب ٹیچرز نے رمیز میں کچھ تبدیلیاں محسوس کی ہیں۔ غیر ذمے دار، محنت اور کام سے جی چرانے کے ساتھ وہ دیدہ دلیری سے جھوٹ بولنے لگا ہے۔ آپ بہ خوبی جانتے ہیں کہ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

"حیرت ہے، ہمارا بیٹا ایسا تو نہ تھا۔ اسکول میں کیا سیکھ رہا ہے؟ اندازہ کرو! ہم اسے یہاں پڑھنے کے لیے بھیجتے ہیں" رمیز کے پاپا نے جھنجھلاتے ہوئے کہا تو میڈم روحی نے انھیں تأسف سے دیکھا۔

"بچے کی تعلیم و تربیت میں گھر والوں کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ ہوم ورک بچہ گھر پر کرتا ہے، ماں یا

باپ کی نگرانی میں۔ والدین میں سے کوئی ایک بچے کی روٹین پر دھیان ضرور رکھتا ہے کہ وہ کب کھیلتا ہے، اُس نے ہوم ورک کیا یا نہیں۔ رمیز کا ہوم ورک اکثر ادھورا ہوتا ہے اور اس کے پاس ایک نیا بہانہ۔ کبھی پاپا بیمار، کبھی وہ خود تو کبھی ماما۔ ابھی کل ہی اس نے ہوم ورک نہ کرنے پر یہ عذر پیش کیا کہ ماما بہت بیمار تھیں، اسپتال میں رہیں۔ یہ اُسے اسکول میں تو نہیں سکھایا گیا۔" میڈم روحی کے بتانے پر اُن دونوں کے چہرے پر شرمندگی کے ہلکے سے آثار نظر آئے۔

"ہماری اپنی مصروفیات ہوتی ہیں، شاید رمیز اسی کا فائدہ اٹھانے لگا ہے۔ ہم آیندہ دھیان رکھیں گے۔" رمیز کی ماما نے جواب دیا۔

"مصروفیات اپنی جگہ۔۔۔ مگر بچے کی تعلیم و تربیت پر کوئی سمجھوتا نہیں کرنا چاہیے۔ کوشش کیجیے کہ آپ ہر پیرنٹ ٹیچر میٹنگ میں موجود ہوں، تاکہ کمی بیشی ساتھ ساتھ دور کی جاسکے۔" میڈم نے کہا تو رمیز کی ماما نے اثبات میں سر ہلا دیا جب کہ رمیز کے پاپا موبائل پر بات کرنے لگے۔

"میں میٹنگ کے لیے آرہا ہوں۔ ہاں بس راستے میں ہوں۔ تھوڑی دیر تک پہنچ جاؤں گا۔"

رمیز کو جھوٹ کی عادت کہاں سے پڑی، میڈم روحی جان گئی تھیں۔

شام میں جب اُس کے پاپا گھر آئے تو رمیز اپنی پسندیدہ فلم دیکھنے میں مگن تھا۔

"ادھر آؤ، شرم نہ آئی اپنی ماما کو شدید بیمار کر کے اسپتال داخل کرواتے ہوئے؟" اُن کے کہنے پر رضی سٹپٹا گیا۔

"آج آپ کی اسکول ٹیچر کی کال آئی۔ ہم آپ کے اسکول گئے تو سب پتا چلا۔ ہمیں اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔" ماما کے کہنے پر وہ تیزی سے بولا: "ماما! میں نے ایسے نہیں کہا تھا۔ ٹیچر نے جھوٹ بولا ہے۔"

"توبہ! اس کی ڈھٹائی دیکھو، کیسے ہمارے منہ پر مکر گیا ہے۔ اندازہ کرو! اسکول میں کیا کیا کرتا ہوگا۔" دادو ان کی گفتگو سن کر چپ نہ رہ سکیں۔

"بچے وہی کرتے ہیں جو بڑوں کو کرتا دیکھیں۔ بچے بگڑنا شروع ہوں تو والدین کو اپنے رویوں پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ رضی بیٹا اپنے والدین سے معافی مانگو اور کل اسکول جا کر ٹیچر سے بھی معافی مانگنا۔ ایک جھوٹ چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور جھوٹ اکیلا نہیں آتا، اپنے ساتھ کئی اور بری عادتیں مفت میں لے کر آتا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہو کہ سب آپ کو برا سمجھیں اور ناپسند کریں؟"

"نہیں دادو! میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا۔۔۔ سوری ماما پاپا! مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔" وہ ندامت سے بولا تو دادو نے اُسے کمرے میں جانے کا کہا اور اس کے والدین سے مخاطب ہوئیں: "میں تم لوگوں کے معاملات میں مداخلت کرنا پسند نہیں کرتی، مگر اب کہنا ضروری ہو گیا ہے کہ رمیز بڑا ہو رہا ہے اور بہت کچھ ایسا سیکھ اور کر رہا ہے جو اُس کی شخصیت اور ذہن سازی کے لیے مناسب نہیں۔ اس کی عادت واطوار سنوارنے کے لیے تم لوگ اپنے طور طریقے بدلو۔ بیٹی! تم خوامخواہ کی شاپنگ اور گھومنا پھرنا کم کر کے بچے پر توجہ دو۔ ماں سے بڑھ کر بچے کی نفسیات کوئی نہیں سمجھ سکتا اور بیٹا تمھیں تو خود کو بدلنے کی بہت ضرورت ہے۔ تمھاری ایسی تربیت تو نہ تھی۔ بات بات پر بہانے، کبھی کسی کو کچھ کہا تو کبھی کچھ، جن باتوں کو معمولی سمجھتے ہو، یہ جھوٹ اور غلط بیانی میں شمار ہوتی ہیں۔ اب خود ہی اندازہ کرو اگر والدین ایسا ویسا کچھ کریں تو بچوں پر کتنا برا اثر پڑتا ہے۔" دادو نے تأسف سے کہا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

رمیز کے والدین کو اب اپنی بری عادت واطوار اور رویوں کا اندازہ ہونے لگا تھا۔

بقیہ

تلاش

کے لیے کبھی لکڑی کے خزانوں میں کمی نہیں آنے دی۔" بابا جی نہایت اطمینان سے بولے۔

"بابا جی! آپ کے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے دوسرے علاقوں کا رُخ کرنا پڑتا ہے۔ کوئی بیمار ہو جائے تو علاج کی سہولت میسر نہیں، کسی سواری کا انتظام نہیں، خریداری کے لیے میلوں کا سفر طے کرتے ہیں۔ یہ تمام مسائل آپ کو پریشان نہیں کرتے۔" میں نے بابا جی کو جانچتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

میری بات سن کر بابا جی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے، گویا جواب کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں، پھر نہایت ٹھنڈے لہجے میں بولے: "بیٹا! جنھیں تو مسائل سمجھ رہا ہے، یہ ہمارے لیے آج تک مسئلہ بنے ہی نہیں۔ پتر، دھیان سے سن! ہسپتال سے زیادہ صحت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ نعمت ہمیں ہمارے مولا نے بے شمار دی ہے۔ سواری بیل گاڑی کی صورت میں ہر گھر میں موجود ہے۔ باقی ایک دو میل پیدل چلنا تو ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں، بلکہ فخر کی بات ہے۔ رہ گئی بات خریداری کی۔۔۔ تو اللہ نے دودھ، گوشت اور شہد سے لے کر پھل، سبزی تک اتنی وافر مقدار میں دیا ہے کہ ہم اپنے علاوہ شہر والوں کی ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں۔ میرے مولا نے ہمیں سونا اگلتی زمینوں سے مالا مال کیا ہے۔ جہاں تک بات ہے تعلیم کے لیے سفر کرنے کی تو یاد رکھ پتر! جس چیز کو جتنی قیمت چکا کر حاصل کیا جائے، وہ اتنی ہی قیمتی ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر بابا جی تو خاموش ہو گئے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی گفت گو کے سحر سے پوری کائنات ساکت ہو گئی ہے۔

کچھ توقف کے بعد میں نے کہا: "بابا جی! ایک بات تو بتائیں۔"

"بولو بیٹا! کیا بات ہے؟"

"بابا جی! خوش نصیب کون ہوتا ہے؟"

"جو اپنے نصیب سے خوش ہو۔"

بابا جی کے الفاظ نے میری آنکھوں سے تمام پردے ہٹا دیے تھے۔ میری تلاش ختم ہو گئی تھی۔ میرے سوالوں کے جواب مل چکے تھے۔ میں سکتے کی کیفیت میں اپنے سامنے بیٹھے خوش قسمت انسان کو تک رہا تھا۔ میرے کانوں کو ایک ہی جملے کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔

"جو اپنے نصیب سے خوش ہو۔"

"جو اپنے نصیب سے خوش ہو۔"

ہوائیں گنگنا رہی تھیں اور پتے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ بڑے بڑے تعلیمی اداروں والے شہر کا باسی ایک دیہاتی کے چشمۂ علم سے سیراب ہو رہا تھا۔

وہ یہاں آیا نہیں، لایا گیا تھا۔ قانونِ فطرت ہے، جب انسان سراپا سوال بنتا ہے تو قدرت اسے جواب دیتی ہے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ

لائبہ عبدالستار

تمہیں کھیلنا نہیں آتا کیا؟ اس طرح کھیلتے ہیں؟ یہ فٹ بال میرے پاؤں پر آکر گری ہے۔

ایک تو گلی بلاک کی ہوئی ہے، اوپر سے شور کی آوازوں سے گھر سر پر اُٹھایا ہوا ہے۔

دوبارہ میرے گھر کے سامنے مت کھیلنا۔ باہر گلی میں فٹ بال کھیلتے ہوئے سنان کے پیر پر کیا آگری، سنان کے آگ بگولہ ہونے سے ایسا لگا کہ گویا بھاری بھر کم اینٹ آن پڑی ہو یا بڑا پہاڑ!!

بہت معذرت سنان! آپ کو ہماری وجہ سے تکلیف ہوئی۔ صفوان نہایت ندامت سے بولا۔

"میرے پیارے دوست! تمہیں زیادہ تو نہیں لگی؟" سعد نے اخلاص سے ہم دردی کی۔

"نہیں چاہیے مجھے تمہاری یہ ہم دردی! تم سب لوگ دوبارہ مجھے نظر مت آنا۔" سنان کا برسنا تھا کہ گلی میں کھیلتے ننّھے پھول یک دم سہم کر نو دو گیارہ ہو گئے۔

سنان ہلکی سی فٹ بال لگنے سے بچوں پر جان بوجھ کر غصہ اتار کر بہت خوش ہوا کہ میرے رعب سے سب بھاگ گئے۔ سنان پندرہ سالہ نویں جماعت کا طالب علم تھا، گھر میں اکلوتا ہونے کی بنا پر لاڈ پیار میں بہت بگڑ چکا تھا، بات بات میں وہ ایسی بات کرتا جس سے سامع کا دل کٹ کر رہ جاتا۔ گلی میں سنان کے ہم عمر لڑکوں کا فٹ بال کھیلنا روز مرہ کا مشغلہ تھا، مگر سنان کو ان سے سخت چڑ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آئے دن سنان کسی نہ کسی سے لڑ رہا ہوتا اور خوب بد کلامی کرتا، اس کے اس رویے سے کھیلنے والے بہت اداس ہوتے۔

وہ بھی شور کی عادت سے مجبور تھے، جہاں کئی یار ملے ہوں، وہاں شور نہ ہو، یہ تو ناممکن سی بات ہے بھئی!!

"کیا ہوا صفوان بیٹے! آج فٹ بال کھیلنے نہیں جا رہے؟" بابا نے گھر کے باہر چبوترے پر بیٹھے صفوان سے پوچھا۔

"نہیں بابا!" صفوان نے اداسی سے کہا۔ دوست بھی نہیں ہیں آپ کے؟ کیوں کیا ہوا ہے؟ بابا کے پوچھنے پر صفوان نے گزشتہ کل ہونے والی بد نظمی اور سنان کی تلخ کلامی بابا کے گوش گزار کی۔

"اوہ! تو یہ بات ہے، دیکھو بیٹا! میں آپ کی حمایت تو بالکل نہیں کرتا، کیوں کہ آپ لوگوں کی بھی غلطی ہے۔"

"بابا! اس نے ایسے غلط انداز میں بات کی، میں نے تو بہت ندامت سے اس سے معذرت کی تھی، مگر اس نے ہی ایسا رویہ اختیار کیا اس میں میری تو غلطی نہیں ہے نا؟" صفوان بے چارگی سے بولا۔

"یہی تو بات ہے بیٹا! ہم دوسروں کی غلطی پر تو خوب نظر رکھتے ہیں، مگر خود اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے۔ میرے بیٹے! امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو اپنے عیبوں کو چھوڑ کر دوسروں کے عیبوں میں دل چسپی رکھتا ہے، اُس کا دل اندھا ہو جاتا ہے اور اُس کا جسم تھک جاتا ہے، اُس کے لیے اپنے عیبوں کو درست کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور لوگوں میں سب سے زیادہ کم زور وہ ہے، جو لوگوں کی عیب جوئی کرے!"

"اوہ! ہمم۔۔۔" صفوان بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"دیکھو بیٹا! آپ سب روزانہ وہاں کھیلتے ہو تو شور بھی کرتے ہو، جس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہوتی ہے، کسی کے آرام کا وقت ہوتا ہے یا کوئی بیمار ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ گلی سے ہر کسی کا گزر ہوتا ہے، چلتے ہوئے اگر کسی بزرگ یا چھوٹے بچے کو فٹ بال لگ جائے تو؟"

"ہمم ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا" صفوان بہت سمجھ دار ہونے کے ساتھ ساتھ فرماں بردار بھی تھا۔

"بیٹا! اس لیے آپ لوگ گراؤنڈ میں کھیلا کریں، تاکہ کسی کو کسی بھی قسم کی آپ سے تکلیف نہ ہو اور کسی سے منہ ماری بھی نہ ہو۔"

اور حدیثِ مبارکہ بھی تو ہے: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ"

ترجمہ: "مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔"

"تو صفوان بیٹے! اس حدیث پر عمل کرنے کا کتنا اہتمام ہے؟"

"ہمم۔۔۔ اہتمام تو نہیں ہے بابا!" صفوان شرمندگی سے بولا۔

"تو پھر بیٹا کون کرے گا اس کا اہتمام؟ یہ حدیث آپ ﷺ نے ہم مسلمانوں کے لیے ہی فرمائی ہے تو اگر ہم خیال نہیں رکھیں گے تو کون رکھے گا؟"

"جج جی، بابا! ان شاء اللہ!! میں آج سے اس حدیث کا ہر جگہ خیال رکھوں گا۔"

"بہت خوب بیٹے!"

"اور اپنے دوستوں کو بھی اس طرف راغب کرنا"

"جی ضرور بابا! ان شاء اللہ۔۔۔"

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ انکل!"

صفوان کو پتا ہی نہ چلا کہ سنان نے دکان سے آتے ہوئے صفوان کو بابا کے ساتھ دیکھا تو وہ بھی وہیں کچھ فاصلے سے کھڑا ہو گیا، مگر اسے بابا کے صفوان کو سمجھانے کی آواز صاف آ رہی تھی، جو اس کے دل پر بھی اثر انداز ہو رہی تھی۔

حدیث سن کر سنان سے رہا نہ گیا اور فوراً آگے بڑھ کر سلام کیا۔ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!"

"سنان بیٹے کیسے ہو؟"

"جی میں بالکل ٹھیک، الحمد للہ!"

"حارث انکل! معذرت کے ساتھ، میں نے آپ کی تمام باتیں سن لی ہیں، جو آپ صفوان سے کر رہے تھے اور آپ کی بات نے میرے دل پر اثر کیا ہے اور میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں، میں صفوان سے معافی مانگتا ہوں، صفوان مجھے معاف کر دو!" سنان نے ہاتھ جوڑے۔

"ارے سنان! یہ کیا کر رہے ہو؟ میں آپ کو کھلے دل سے معاف کرتا ہوں۔"

صفوان نے سنان کے ہاتھ تھام کر اسے گلے لگا لیا۔ دونوں نے اپنا دل صاف کیا اور ایسے باتوں میں لگے جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

حارث صاحب نے جانے کے لیے قدم بڑھایا اور دل میں اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ان کے الفاظ میں تاثیر رکھی، جس سے دونوں دوستوں کے دل سنور گئے۔

حصے کی شمع

بنت محمد

"آج ہماری آرٹسٹ محترمہ کیا بنا رہی ہیں؟"

مریم نے سدرہ کی پسندیدہ جگہ (یعنی لان میں پھول پودوں کے پاس) پکوڑا فرائز، نگٹس اور چائے کی ٹرے لیے آتے ہوئے کہا۔ مریم جب بھی کچھ نیا بناتی سدرہ کو ٹیسٹ کروانا ضروری سمجھتی تھی، آج بھی وہ اپنا نیا تجربہ لیے موجود تھی۔

"وہ صدائے اقصیٰ کے نام سے ایک ایونٹ ہو رہا ہے، بس اس ایونٹ میں شرکت کے لیے ہی پینٹ کر رہی ہوں۔" سدرہ نے مسجد کے سنہرے گنبد میں رنگ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا فائدہ اس محنت کا، پیسہ بھی لگاؤ، اتنا مہنگا سامان استعمال کرو، کچھ حاصل تو ہے نہیں، بے کار میں بندہ اتنی محنت کرے۔" مریم نے ٹرے کو ٹیبل پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"دکھاؤ، تم نے آج کیا بنایا ہے؟" سدرہ نے بات بدلنا ضروری سمجھا۔

"تمھیں پتا ہے ہمارا پہلا قبلہ کون سا تھا؟" مریم کے نئے تجربے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہلکی پھلکی گپ شپ کے دوران سوال کیا گیا۔

"مسجد اقصیٰ!"

"پھر تو تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ انبیا کی سرزمین ہے۔"

"ہاں معلوم ہے۔"

"یہ کیا تم بچوں والے سوال کیے جا رہی ہو؟" مریم نے چڑتے ہوئے کہا۔

"لڑکی چڑ کیوں رہی ہو، میں تو بس القدس کی محبت میں یہ باتیں کر رہی ہوں، جیسے ہم مکہ مدینہ کی کرتے، بالکل ویسے ہی القدس کا تذکرہ بھی تو سکون دیتا ہے۔" مریم کو اس بات پر خاموش ہونا ہی پڑا۔

"جانتی ہو القدس کو انبیا کی سرزمین کہا جاتا ہے، مسجد اقصیٰ وہ جگہ ہے، جہاں پیارے نبی ﷺ نے تمام نبیوں کی امامت کی، وہ جگہ جو ہمارا قبلہ اوّل ہے، وہ جگہ جس کی تعمیر اللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السّلام نے جنّات سے کروائی، وہ جگہ جہاں نماز ادا کرنا مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے بعد سب سے افضل، وہ جگہ جہاں عیسیٰ علیہ السّلام کا آسمان سے نزول ہوگا۔"

ماحول میں خنکی نہ ہو، اس لیے مریم بنائی چیزوں سے لطف اٹھاتے ہوئے القدس سے متعلّق کچھ باتیں بتاتی چلی گئی، کھاتے کھاتے بات کرنے کی وجہ سے گلہ خشک ہو گیا تو سدرہ پانی پینے کے لیے رُکی۔

"سدری! تمھیں تو بہت کچھ معلوم ہے، مجھے یہ سب معلوم نہیں تھا، میں تو صرف یہی جانتی ہوں کہ مسجد اقصیٰ ہمارا قبلہ اوّل ہے اور وہاں مسلمانوں پر بہت ظلم ہوتا ہے، اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں معلوم، اگر تمھیں اور کچھ معلوم ہے تو پلیز بتاؤ نا!" مریم سدرہ کے منہ سے القدس کے متعلّق دل چسپ باتیں سن کر مزید جاننے کے لیے متجسس ہو رہی تھی۔

"دیکھو مریم! یہ جو فلسطین ہے نا! یہ روئے زمین کا وہ ٹکڑا ہے جو تاریخی، جغرافیائی اور مذہبی ہر اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کئی مادّی اور روحانی برکات سے مالا مال فرمایا ہے۔ کئی جلیل القدر انبیا اس زمین پر مبعوث ہوئے اور یہاں کی سرزمین نے زمانے کے اتنے اتار چڑھاؤ دیکھے جو کم ہی کہیں اور دیکھنے کو آئے ہوں۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔"

"دیکھو! مشہور یہ ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی اولاد کے وقت سے آباد تھا، لیکن درحقیقت یہ اس سے بھی بہت پہلے قدیم انسانی تہذیب کا مرکز ہے، جب یہاں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السّلام کی حکومت تھی۔

پھر بنی اسرائیل کی حکومت کا زمانہ تھا، ان برگزیدہ انبیا علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے بعد یہودیوں کی نافرمانی کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف فاتحین کو مسلّط کیا، جنھوں نے ان کو عبرت ناک طریقے سے قتل کیا، غلام بنایا اور باقی ماندہ کو یہاں سے جلاوطن کر دیا۔" سدرہ سانس لینے کے لیے رُکی ہی تھی۔

"مطلب اتنی ذلّت اتنی رسوائی۔" مریم کی دبی دبی آواز سنائی دی۔

"ہمم! کسی قوم کی ایسی اجتماعی رسوائی اور وطن سے محرومی مشکل ہی نظر آتی ہے۔ قرآنِ کریم سے تو واضح ہے کہ درحقیقت یہ عذابِ الٰہی تھا جو اس کم فطرت قوم کی شرارتوں کے سبب ان پر بھیجا گیا تھا۔ بنی اسرائیل پر عراق کے بختِ نصر اور رومی مسلّط ہوگئے اور انھیں ناک وچنے چبوائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ بھی ان بد بختوں نے بار بار یہ اختیار کیا اور ان کی گستاخی کی، جس کی وجہ سے ہمیشہ کی رسوائی اور بربادی ان کا مقدّر بن گئی اور ان پر ذلّت کی مہر ثبت کر دی گئی۔"

"مگر سدرہ! ہم دیکھتے ہیں کہ یہ یہودی تو آج ہر جگہ راج کر رہے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، بظاہر ایسا نظر آتا ہے، دیکھو! آج سے کچھ وقت پہلے تک یہ یہودی دنیا میں مارے مارے پھرتے تھے۔ زمین کا کوئی ٹکڑا انھیں پناہ دینے کو تیار نہ تھا۔

ان کے مختلف قبائل دنیا کے مختلف حصوں میں بکھر گئے تھے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے پھٹکار کے باعث انھیں کوئی جگہ راس نہ آئی تھی اور یہ اپنی بدفطرتی کے سبب دنیا کی مختلف قوموں سے مار کھاتے ذلّت اٹھاتے اور عبرت کا نشان بنتے رہے تھے، گذشتہ صدی میں ایک افسوس ناک صورتِ حال پیش آئی کہ یہ ملعون قوم کئی صدیوں بعد اپنے لیے ایک مملکت حاصل کرنے میں کام یاب ہوگئی۔ اور جانتی ہو انھوں نے کون سی جگہ حاصل کی؟" سدرہ بات کرتے کرتے رُکی اور مریم کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"کیا فلسطین؟" مریم کا لہجہ کنفیوژ تھا۔

"مسلمانوں کے لیے اس سب میں رنج اور غصے کی بات یہ تھی اور ہے کہ یہودی ریاست کے لیے مسلم ممالک کی سرزمین ہی چنی گئی اور سرزمین بھی وہ جو مسلمانوں کے دل کے بہت قریب ہے۔ اور پھر ہنستے بستے مسلمانوں کو بے دخل کر کے دنیا بھر کے ناپاک یہودیوں کو وہاں لا بسایا گیا۔ اس غرض کے لیے عالمی طاقتوں کے تعاون سے بدنیتی بد دیانتی اور دھوکہ وفریب پر مشتمل ایسی چالیں چلی گئیں، جن کے تذکرے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔"

"مطلب تب سے اب تک اُس وقت کی گئی سازشوں کے باعث آج تک فلسطین کے مسلمان

مُعلّم

رومان فاطمہ

وہ سڑک کے کنارے بنے ایک سیمنٹ کے بنیچ پہ ایسے بیٹھا تھا جیسے وہ ایک مجسّمہ ہو، جو حرکت کرنے سے بے نیاز ہے۔ اس کے سامنے سڑک پر زندگی رواں دواں تھی، کچھ لوگ سواریوں کے انتظار میں کھڑے تھے اور کچھ لوگ پیدل ہی منزل پر پہنچنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ باقی رہ جانے والی نصف عوام گاڑیوں بسوں رکشوں موٹر سائیکلوں پر سوار تھی۔ سب ہی جلدی میں لگتے تھے، ہر کوئی میں پہلے کی گردان رَٹ رہا تھا، بس وہی تھا جو اتنے شور اور ہجوم میں سکتے کی حالت میں بیٹھا تھا۔ اس کا سکوت شاید برقرار رہتا، اگر اس کے پاس کھڑے اور چند بیٹھے بس کے انتظار میں مسافروں میں سے ایک دھکاّ لگنے سے اپنا توازن نہ کھو بیٹھتا، وہ ادھیڑ عمر کا شخص تھا جو دھڑم سے اُس پہ آ گرا تھا۔

اس نے دیکھا وہ شخص پچاس سال کا معلوم ہو رہا تھا، وہ حیران ہوا کہ وہ خود اُن کی آدھی عمر جتنا بھی نہ تھا، مگر وہ بڑھاپے کی طرف بڑھتے ہوئے اُس انسان کو زندگی سے شناسا لگ رہا تھا۔

"بیٹا! معاف کرنا، توازن برقرار نہ رکھ سکا۔"

"کوئی بات نہیں۔" کسی بھی تاثرات سے عاری اس کے چہرے نے مسکرانا بھی ضروری نہ سمجھا، اُس کے منہ سے بس یہ تین الفاظ ادا ہوئے تھے۔

بس جا چکی تھی، پیچھے رہ جانے والے مسافروں نے پھر سے اپنی جگہیں سنبھال لیں تھیں، پھر بے مقصد ہی وہ سڑک کے دوسری طرف دیکھنے لگا کہ اچانک اُس کی آنکھیں ایک منظر پہ جا ٹھہریں۔

ایک چھوٹا بچہ اسکول بیگ اُٹھائے یونیفارم پہنے یقیناً اسکول کی طرف جا رہا تھا۔ بالکل اُس کے پیچھے ہی نو عمر جوان لڑکا تھا، وہ بھی مخصوص وردی میں تھا، بیگ پہنے شاید کالج/یونیورسٹی پہنچنا چاہ رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی تھوڑا پیچھے تیس سالہ مرد آفس بیگ پکڑے چل رہا تھا جو عجلت میں سڑک عبور کر کے اُس کی طرف آ گیا تھا، یعنی وہ بھی بس کی سواریوں میں سے ایک تھا، اُس نے دیکھا وہ اُسی آدمی کے ساتھ آ بیٹھا تھا جو کچھ دیر پہلے اُس سے ٹکرایا تھا۔

ایک ہی وقت میں ایک ہی منظر میں اُس نے زندگی کے چار اسٹیج دیکھے۔ ہر کوئی کہیں نہ کہیں اُسے زندگی جیتے اور گزارتے ساتھ ساتھ دکھائی دیے، جیسے کہ وہ بچہ جو شاید اسکول جانے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھا، مگر وہ جاتا تھا ویسے ہی جیسے وہ جوان لڑکا کالج یا یونی ورسٹی جانے پہ پابند تھا، پھر وہ تیس سالہ مرد جو آفس کی حاضری کے لیے نکلا تھا یا وہ ادھیڑ عمر شخص جو اب بھی زندگی سے مایوس نہیں ہوا تھا۔ ہر کسی نے اپنا سفر جاری رکھا ہوا تھا۔

ہر کوئی خود کو گھسیٹ رہا تھا اور یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اُن میں سے کوئی بھی آدمی مکمل طور پر خوش یا دکھی نہیں تھا۔

اُس کی سماعت میں کسی کے وہ الفاظ گونجنے لگے کہ "کبھی زندگی سے تھک جاؤ خود کو بے بس مایوس ہارا ہوا محسوس کرو تو ایک سفر پہ نکل کھڑے ہو، وہ سفر گھر سے لے کر ایک مصروف شاہراہ تک کا بھی ہو سکتا ہے، اُس سڑک پہ گزرا تمہارا وقت تمہیں اندر سے ایسی طاقت دے گا کہ تم واپسی کے سفر میں مشاہدہ کرو گے، تم میں سے اُداسی مایوسی نکل گئی ہے، جمود ٹوٹ گیا ہے، جیت جانے کا سرور پھر سے مست کرنے کے لیے تیار ہے۔"

ہر کوئی کہیں نہ کہیں کسی بھی بات، چیز، جگہ، کام یا انسان کو لے کر سمجھوتہ کر رہا تھا۔

"مکمل خوشی اور پوری طرح غم انسان پہ کبھی نہیں آتا، دونوں کی کمی بیشی کا نام ہی زندگی ہے۔ خوشی میں انسان زندگی جی لیتا ہے جبکہ غم میں گزار دیتا ہے۔"

زندگی میں جمود نام کی شے سے ضرور آپ کا سامنا ہوتا ہے، لیکن خود کو اُس جمودی قوت کے حوالے کر دینا، آپ کی سب سے بڑی شکست ہوتی ہے۔

اچانک بس دور سے چیختی چلاتی اسٹاپ پر آ رُکی۔ انتظار میں کھڑے مسافروں میں ہلچل مچ گئی۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہ سکتہ کی کیفیت سے باہر نکل آیا ہے۔ بے اختیار اُس کے قدم بس کی طرف اُٹھے۔

کچھ دیر بعد وہ خود کو زندگی سے لڑنے کے لیے تیار دیکھ رہا تھا۔ بس منزل کی طرف روانہ ہوئی۔ بس ہی نہیں، بس میں بیٹھے ہر مسافر نے اپنی منزل کا تعین کر کے سفر کو جاری رکھنے کا عہد کیا۔

چلتی بس میں نشست سنبھالے کھڑکی سے اُس کی آنکھیں پیچھے رہ جانے والوں کی ہمت دیکھ کے مُسکرا اُٹھیں، کیوں کہ یہی ہمت والے لوگوں نے اُس کی اندھیری مایوس آنکھوں کو اُمید کی کرن بخشی تھی۔

اُس کی سماعت میں پھر سے وہی آواز گونجی جو کچھ دیر پہلے سڑک پہ بیٹھے وہ سُن رہا تھا۔

"سڑک سکھاتی ہے۔ تم سیکھنا چاہو تو سڑک معلّم بن جاتی ہے۔"

اذیت کا شکار ہیں، ہمارا قبلۂ اوّل خون کے آنسو رو رہا ہے اور ہم جیسے عقل کے اندھے اور مفلوج دل و دماغ والے مسلمان اپنی دنیا میں مگن ہیں۔" مریم نے آنسوؤں کا گولہ حلق میں اتارتے ہوئے چند جملے مکمل کیے۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، ایسا ہی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے حصے کی شمع جلانے کی ضرورت ہے، ہم اگر کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم لوگوں کو اپنی آنے والی نسلوں کو آگاہی تو دے ہی سکتے ہیں، اب اس آگاہی کا طریقہ کار چاہے کوئی کورس ہو یا کوئی ایونٹ یا کچھ بھی۔۔۔ مجھے کسی پیسے یا کسی بھی قسم کی لالچ نہیں، بس اس سوچ کے ساتھ میں اس ایونٹ میں حصہ لے رہی ہوں کہ میرا کردار بھی اس چڑیا کی طرح لکھ دیا جائے جو ابراہیم علیہ السّلام پر جلائی گئی آگ کو بجھانے کے لیے جو قطرہ قطرہ پانی لا رہی تھی۔"

سدرہ نے اپنی پینٹنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مریم کو ابتدا میں اس کی طرف سے کیے گئے سوال کا جواب دیا۔

"تمہاری سوچ کو سلام! میں بھی ضرور اپنے حصے کی شمع جلاؤں گی اب۔"

مریم سدرہ کو داد دیتے ہوئے خود ایک عزم لیے وہاں سے اٹھی اور کھانے کی ٹرے لے کر اپنے پورشن میں آ گئی۔

انٹلیکٹ کیڈٹ کالج تلہ گنگ

INTELLECT CADET COLLEGE
TALAGANG

داخلہ برائے جماعت ہشتم

تیسری انٹری
2024

انٹلیکٹ کیڈٹ کالج تلہ گنگ میں آٹھویں کلاس میں داخلہ کے لیے درخواستیں مطلوب ہیں۔

درخواست کا طریقہ کار

آن لائن درخواست فارم کالج کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔
www.intellectcadet.edu.pk

اہلیت

عمر کی حد: 12 سے 14 سال ہو 31 مارچ 2024ء تک
تاریخ پیدائش: 31 مارچ 2010ء سے 31 مارچ 2012ء تک

تعلیمی معیار: ساتویں جماعت پاس یا مساوی

انتخاب وٹیسٹ کا طریقہ کار

داخلہ اوپن میرٹ کی بنیاد پر ہوگا۔ امیدوار کا انتخاب تحریری امتحان (ساتویں جماعت کی اردو، انگلش اور ریاضی کی فیڈرل بورڈ کی کتب سے لیا جائے گا)، انٹرویو (دلیل سے گفتگو، تنقیدی اور تعمیری سوچ کے ساتھ مل کر کام کرنے کا جذبہ طالب علم میں موجود ہونا چاہیے) اور جسمانی وطبی صحت کی پڑتال (مختلف اقسام کی ورزش سے جسمانی وطبی صحت کا جائزہ لیا جائے گا) کے بعد کیا جائے گا۔

امتحانی مرکز

"انٹلیکٹ کیڈٹ کالج تلہ گنگ"، بائی پاس روڈ نکہ کہوٹ، تلہ گنگ

شیڈول

درخواستیں جمع کروانے کی آخری تاریخ: 31 دسمبر 2023

تحریری امتحان کی تاریخ: TBD

زیر سرپرستی:
میجر جنرل (ر) سید عابد حسن
سابق ممبر فیڈرل پبلک سروس کمیشن

فون: +92-325-422-4228
UAN: 0304-111-0268
ویب سائٹ: Intellectcadet.edu.pk
ای میل: info@intellectcadet.edu.pk

ننھا ہمدرد

پہلا حصہ

بنتِ مسعود احمد

"چلو بیٹا! اب لمبے سفر کے لیے خود کو تیار کر لو۔" ماں اسے محبت سے پچکار کر بولی۔

"کتنے لمبے سفر کے لیے؟؟" اس کی آنکھوں میں نئے سپنے اترنے لگے۔ پہلی بار اس سفر پر نکلنے کے لیے اور نئی جگہ جانے پر وہ بہت پُرجوش تھا۔

"کیا صرف ہم لوگ ہی جائیں گے؟" ایک اور سوال۔

"نہیں یہاں جتنے ہمارے ساتھی ہیں، سب ہی رختِ سفر باندھیں گے۔"

"پر بابا نے کہا انکل جی تو ہمارے ساتھ نہیں آئیں گے۔"

"ہاں۔۔۔شاید وہ ہمارے ساتھ نہ آئیں۔" رینی افسردگی سے بولی۔

"پر کیوں! جب سب سردیاں گزارنے کے لیے یہ جگہ چھوڑ رہے ہیں تو پھر انکل جی ایسے کیوں نہیں کر رہے؟" ننّھا کیکو پریشانی سے بولا۔

"بس بیٹے۔۔۔! پچھلی بار کے سفر سے وہ مایوس اور اکیلے لوٹے تھے تو۔۔۔اب شاید وہ نہ جا سکیں۔" یہ کہتے رینی کی آواز میں نمی اتر آئی۔

"آپ نے کہا کچھ دن میں یہ جھیل مکمل طور پر جم جائے گی اور کھانے کے لیے بھی کچھ نہ ہوگا، پھر ایسے حالات میں انکل کیسے رُک سکیں گے یہاں۔۔۔؟"

"اللہ مالک ہے میرے بچے۔۔۔ تم پریشان نہ ہو۔"

◆◆◆

آبادی پر اُڑتے کبھی درختوں کے جُھنڈ پر سے گزرتے ہر بار اسے حیرت اپنے بازوؤں میں بھر لیتی اور گہرے نیلے سمندر پر سفر کرنا تو اسے ایک نئی دنیا میں لے جا چکا تھا۔۔۔تاحدِّ نگاہ پانی ہی پانی۔۔۔"یہ خوب صورت ہے بہت زیادہ، مگر یہ ایک تھکا دینے والا سفر ہے بابا۔" کیکو نے پروں کو تیزی سے چلاتے ہوئے بابا سے کہا۔

اس کی بات سن کر وہ مسکرائے۔ "ابھی تو شروعات ہے بچے، تم ابھی سے تھک گئے؟؟"

"نہیں، ایسا نہیں ہے، ہمارا کیکو تو بہت مضبوط اور پھرتیلا ہے۔" ماں نے فوراً اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" اس کو ذرا جوش آیا۔

"کیا ہم کچھ دیر کے لیے زمین پر اتر کر تھوڑا آرام نہیں دے سکتے اپنے پروں کو؟" تھوڑی دیر بعد کیکو بے چارگی سے پوچھ بیٹھا۔

"ہاں بالکل، ہم سب اتریں گے ایک جگہ مل کر کیوں کہ اتنے لمبے سفر کے دوران کئی جگہ رُکنا پڑتا ہی ہے۔" بابا نے اسے بتایا۔

"تو ہم اتر سکتے ہیں زمین پر۔" وہ خوش ہو کر پوچھنے لگا۔

"اتر تو سکتے ہیں پر۔۔۔ ڈار کے ساتھ! اگر ہم اکیلے اتریں گے تو بھٹک بھی سکتے ہیں۔ ڈار کے ساتھ رہنا ہمارے لیے ایک محفوظ سفر کی ضمانت ہے۔" بابا نے اسے سمجھایا۔

◆◆◆

ساڑھے چار ہزار میل کا لمبا سفر اسے تھکن سے چور کر چکا تھا۔ منزل بس نزدیک ہے، یہ بات اس کا حوصلہ برقرار رکھے ہوئے تھی۔ وہ قطار میں اپنے ماما بابا کے درمیان اڑتا چلا جا رہا تھا کہ اچانک تیز ہوا کے جھکڑوں اور تیز برسات نے ڈار کو بے ہنگم کر کے رکھ دیا، کیکو نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنا توازن نہ کھونے پائے، مگر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

"اففف! یہ بے موسمی بارشیں۔۔۔!" کیکو کی سماعت سے بابا کا جملہ ٹکرایا۔

چند منٹوں کا کھیل تھا، بارش ہلکی ہوتے ہی پرندے پھر سے منظّم ہونے لگے، مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ وہ ڈار سے بچھڑ چکا تھا اور جو ڈار سے الگ ہو جاتا تھا، وہ ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاتا تھا۔ انکل جی بھی تو آنی کو اسی طرح پچھلے سفر میں کھو چکے تھے۔ رینی اور کرین نے کیکو کو بہت ڈھونڈا، مگر اس کا کچھ پتا نہ چلا۔۔۔ ڈار کے سارے پرندے اس کی غیر موجودگی کی اطلاع پا کر افسردہ ہو گئے۔ رینی کا رو رو کر برا حال تھا تو کرین کو چپ لگی تھی۔ وہ کھوجتی ہوئی نگاہوں سے کئی بار زمین کا جائزہ لے چکا تھا کہ شاید کہیں اسے اپنا بیٹا نظر آ جائے۔ منزل قریب ہی تھی اور وہ باحفاظت اپنی مطلوبہ آبی گاہ پر بس پہنچنے ہی والے تھے کہ یہ سب ہو گیا۔

◆◆◆

"احمد بیٹے جلدی سے ناشتہ ختم کر کے مرغیوں کو دانہ ڈال آ۔" اماں نے دیسی گھی والے پراٹھے اور انڈے سے لطف اندوز ہوتے احمد سے کہا اور نیم گرم دودھ کا پیالا اس کے سامنے رکھا۔

"ابھی جاتا ہوں اماں۔" وہ دودھ کے پیالے سے ایک گھونٹ بھر کر بولا۔

"اماں دانہ ڈال کر میں گلابو کو ٹہلانے لے کر جاؤں گا، کافی دن ہو گئے اسے سیر کیے ہوئے۔" آج اس کی چھٹی تھی تو اس نے اماں کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

"ہاں بچے! جب سے تو اسکول جانے لگا ہے، گلابو بے چاری بندھے بندھے تھک جاتی ہے۔ آج اس کو کھیتوں تک لے جا، مگر خیال رہے کہ وہ کھیتوں میں تباہی نہ مچائے۔"

"میری گلابو ایسی نہیں ہے، وہ بس وہی گھاس کھاتی ہے جو میں اسے کھلاتا ہوں۔" احمد فوراً بولا۔

"چل اب پہلے چھت پر جا کر مرغیوں کو کھول کر دانہ ڈال آ کب سے کٹ کٹ شور مچا رکھا ہے۔" وہ جلدی سے مرغیوں کے لیے رکھی کھانے کی تھالی اٹھا کر اوپر کی جانب لپکا۔

چھت پر قدم رکھتے ہی تیز ہوا کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ تیز ہوائیں آندھی کی آمد کا پیش خیمہ لگ رہی تھیں۔ مرغیاں اسے دیکھ کر اور شور مچانے لگیں۔ اس نے آگے بڑھ کر ڈربہ کھولا اور سارا دانہ کچے فرش پر ڈال دیا۔ مٹی کی کونڈیوں کو ایک طرف لگے نل کے نیچے رکھ کر خوب اچھی طرح سے رگڑ رگڑ کر دھویا اور ان میں پانی بھر کر ان کی مخصوص جگہ پر رکھ دیا۔ کئی ننّھے منّے چوزے اور مرغیاں لپک کر پانی پینے کو آ گئیں۔۔۔ مرغے میاں ایک طرف شانِ بے نیازی سے کھڑے سب کی نگرانی میں مگن تھے۔ وہ انھیں دیکھ کر کھل کر مسکرایا، کچھ دیر وہ چارپائی پر بیٹھا انھیں تکتا رہا، پھر کھڑا ہو کر چھت کی چوڑی دیوار پر آ بیٹھا۔

سامنے کھلے میدان میں اپنی چھب دکھلاتی مخملی ہریالی نگاہوں کو تراوٹ بخش رہی تھی اور دور بہت دور اُفق پر پیلی نارنجی شعاعوں میں لپٹا ایک حرارت کا گولا۔۔۔ روئی جیسے بادلوں کی اوٹ میں تیزی سے چھپتا، ابھرتا بڑا پیارا لگ رہا تھا۔۔۔ وہیں کالی گھٹا، کسی سرپٹ گھوڑے کی مانند اپنے سنگ ہوا کے ترکش لیے آگے ہی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس منظر کے آس پاس مہمان پرندوں کے اُڑتے غول نظروں کو مبہوت کر دینے والا حسین نظارہ پیش کر رہے تھے۔

ان کو دیکھ کر احمد اپنی پلکیں جھپکنا بھول گیا، یہ منظر اس کے لیے نیا تو نہ تھا، وہ تو اس موسم میں ان پرندوں کو کئی بار اڑتے دیکھ چکا تھا، لیکن آج ان کو دیکھ کر ذہن میں ایک نئے خیال نے سر اٹھایا۔ ہمارے استاذ تو ہم بچوں کو سیدھی لائن بنوانے کے لیے کئی بار ہدایتیں دیتے ہیں، جب جا کر ہم ایک سیدھی قطار میں لگتے ہیں، مگر یہ پرندے کس طرح بِنا کسی ہدایت کے ایک قطار میں محوِ پرواز ہیں، یہ واقعی بہت حیران کر دینے والا ہے۔

آن کی آن میں سورج کالے بادلوں کے پردے میں جا چھپا تھا۔ بارش بس ہونے ہی کو تھی، وہ دیوار سے اتر کر پنجرے تک آیا اور اس کی چھت سے بندھا پلاسٹک کا چھپّر کھول کر دیوار

سورج بادشاہ

محمد فیصل علی

ایک تھا سورج بادشاہ۔اس کے ملک کا نام تھا آسمان۔آسمان بہت وسیع وعریض تھا،یعنی بہت ہی کشادہ تھا۔ سورج کے ملک میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔چاروں طرف ستارے روشنی پھیلا رہے تھے اور کہکشائیں جگمگا رہی تھیں۔سورج بادشاہ کے ملک میں وقت کی پابندی کی جاتی تھی۔سب ستارے وقت پر سوتے اور وقت پر جاگتے تھے۔خود سورج بادشاہ بھی وقت کا بڑا پابند تھا۔وہ ہر کام وقت پر کرنے کا عادی تھا۔وہ اپنے ملک کا بہت خیال رکھتا تھا۔وہ تھا تو بادشاہ، لیکن اپنی رعایا کا سچا خادم تھا۔اسے اپنی رعایا کی بہت فکر تھی۔وہ صبح سب سے پہلے اٹھتا اور چاروں طرف اپنی روشنی بکھیرتا، جیسے ہی اس کی روشنی ملک میں پھیلتی،سب ستارے جاگ جاتے اور اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ سورج کو جاگنے میں دیر ہوگئی۔اب وہ کافی ہڑبڑایا ہوا تھا،کیوں کہ وہ تو ہر کام وقت پر کرنا پسند کرتا تھا،چناں چہ وہ بوکھلاہٹ میں اپنے محل سے باہر نکلا۔اگلے ہی لمحے وہ اُچھل پڑا۔اس کی آنکھوں میں الجھن پھیل گئی۔بات ہی کچھ ایسی تھی۔اس سے پہلے جب بھی سورج جاگتا اور باہر آتا تو اس کے سنہری چہرے سے نکلنے والی کرنوں سے پورا ملک جگمگا اٹھتا تھا، مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا۔آج چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دائیں بائیں دیکھا، مگر منظر نہیں بدلا تھا۔چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔اس سے پہلے ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔سورج نے اپنی آنکھیں مسلیں، مگر یہ خواب نہیں تھا،یہ تو حقیقت تھی۔آج اس کے باہر آنے سے دن شروع نہیں ہوا تھا۔وہ بہت پریشان ہوگیا اور سوچنے لگا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ کہیں اس کی روشنی ختم تو نہیں ہوگئی؟ وہ تھوڑی دیر کے لیے تو بہت پریشان ہوا، پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور وہ بے اختیار ہنس پڑا اور پھر تو ہنستا ہی چلا گیا۔

اسے پتا چل گیا تھا کہ آج اس کے باہر نکلنے سے روشنی کیوں نہیں ہوئی۔دراصل آج وہ دیر سے جاگا تھا اور بوکھلاہٹ میں باہر آیا تھا تو اس افراتفری میں وہ منہ ہاتھ دھونا بھی بھول گیا تھا،اسی لیے تو آج اس کے چہرے سے روشنی کی کرنیں نہیں پھوٹ رہی تھیں اور اندھیرا دور نہیں ہو رہا تھا۔اب اسے اپنے اوپر خوب ہنسی آرہی تھی۔اس نے جلدی جلدی منہ دھویا، دانت صاف کیے، کنگھا کیا اور پھر باہر آگیا، جیسے ہی وہ باہر نکلا، چاروں طرف سنہرے رنگ کی روشنی پھیل گئی۔اُجالا ہو گیا تھا اور سب ستارے جاگ گئے تھے۔سورج کے ملک میں زندگی رواں دواں ہو چکی تھی۔یہ دیکھ کر سورج بادشاہ بھرپور انداز میں مسکرادیا۔

الفاظ معانی

کہکشائیں کہکشاں کی جمع۔بہت سارے چھوٹے ستاروں کا گروہ

ہڑبڑانا گھبراجانا　　افراتفری ہل چل، پریشانی　　رواں دواں شروع ہونا، چلنا

تک لے گیا، وہاں لگے دو لوہے کے پائپوں میں اس کو ڈوری کی مدد سے کس کر باندھ دیا،یوں بارش سے بچنے کے لیے مرغیوں اور اس کے بچوں کے لیے حفاظتی اقدام کر کے وہ جلدی سے نیچے اتر آیا۔

"اماں میں جا رہا ہوں گلابو کو لے کر۔"

"ابھی تھوڑی دیر ٹھہر جا پتر! بادل برسنے کو ہیں،ایسے میں نکلنا ٹھیک نہیں، پھسلن اور کیچڑ ہوجائے گا۔"

"اماں۔۔۔"اس نے منہ بسورا۔وہ جانتا تھا اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔وہ کچھ دیر ناچاہتے ہوئے بھی رُک گیا۔بارش جس تیزی سے برسی تھی،اسی تیزی سے ہلکی بوندا باندی میں بدل کر کچھ ہی دیر بعد رُک بھی گئی تو وہ خوش ہوگیا اور اماں سے اجازت لے کر گلابو کو ساتھ لیے باہر نکل آیا۔

گلابو کی رسی تھامے اب احمد کا رُخ ابا کے کھیتوں کی جانب تھا۔ایک ہاتھ میں وہ گھاس کا گٹھا مضبوطی سے پکڑے ہوئے گلابو سے باتیں کرتا چلا جا رہا تھا۔

"گلابو! اب صرف چھٹی کے دن ہی میں تمہیں گھمانے نکل سکتا ہوں۔ تمہیں پتا ہے نا،اب میں اسکول جانے لگا ہوں۔میں اپنے امی ابو کا ایک ہی تو بیٹا ہوں،اس لیے وہ چاہتے ہیں میں پڑھ لکھ کر افسر بنوں۔"

"تم جانتی ہو افسر کسے کہتے ہیں؟"میں بتاتا ہوں،جو وردی پہن کر ملک کی حفاظت کرتے ہیں اور دشمنوں کو اپنی بندوق سے مزہ چکھاتے ہیں۔اس نے تین انگلیاں موڑ کر گن بنا کر گلابو کو دکھائی۔

گلابو صاحبہ احمد کی بات پر اپنے منہ سے مخصوص آوازیں نکال کر بڑا سا سر ایسے ہلا رہی تھی، گویا اس کی عقل میں احمد کی ساری بات آ رہی ہو۔احمد باتیں کرتے کبھی پلٹ کر محبت سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیتا تو وہ بھی لمبی سی زبان نکال کر احمد کے گال پر لگا دیتی۔

گلابو احمد کی بچھیا تھی، جب احمد نو سال کا تھا، تب سے وہ اس کے پاس تھی،اب وہ گیارہ سال کا ہو چکا تھا۔اس دو سالہ دوستی میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ احمد پورے پانچ دن تک اسے گھمانے نہیں لے کر گیا تھا،وہ اس لیے کیوں کہ وہ مدرسے سے حفظ مکمل کر کے اب اسکول جانے لگا تھا۔

وہ اکلوتا اور لاڈلا ہونے کی وجہ سے ماں باپ کے ہاتھوں کا چھالا تھا۔حفظ مکمل کرنے کے بعد وہ دہرائی کے لیے صرف دو گھنٹے مدرسے جاتا اور پھر کچھ دیر آرام کر کے باقی ٹائم گلابو کے ساتھ مصروف رہتا۔ چند دن پہلے جب شہر سے اس کے چاچو آئے تو ابا کو سمجھا کر گئے کہ "احمد کی عمر کے بچے پانچ جماعت پاس کر کے اب سیکنڈری لیول تک پہنچ چکے ہیں،اسے کسی استاد کے پاس ٹیوشن لگوائیں اور اسکول میں داخلہ بھی لازمی کروائیں، تعلیم شعور دیتی ہے اور یہ انتہائی ضروری ہے۔"بس ابا کو اپنی نادانی پر افسوس ہوا اور دوسرے دن چاچو کے ساتھ جا کر اسکول میں اس کا داخلہ کرا آئے۔

اب گلابو اداس ہو جاتی، پہلے تو روز کی سیریں اور مزے تھے۔۔۔ خیر! احمد کو پڑھنے لکھنے میں خوب مزا آ رہا تھا،وہ بڑے ذوق و شوق سے روز اسکول جا رہا تھا۔

ہوائی طوفان

ڈاکٹر الماس روحی

حضرت ہود علیہ السلام اللہ پاک کے مشہور پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی طرف اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ یہ قوم بڑی زور آور تھی۔ ان کے بڑے بڑے قد تھے۔ وہ لوگ ستونوں کی طرح طویل تھے۔ جسمانی قوت میں یہ لوگ بے مثل تھے۔ ایسی طویل قد و قامت کی طاقتور قوم اللہ نے پہلے پیدا نہ کی تھی۔ انہیں اپنی طاقت پر غرور تھا۔ یہ قوم پہاڑوں کی چوٹی پر شاندار محلات بنا کر رہتی تھی۔ عیش پرستی ان کی عادت تھی۔ اپنی طاقت اور دولت کے نشے میں اتنے مدہوش ہو گئے کہ کسی کو عزت نہ دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی کرتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو ساحل کے پاس رہتے تھے۔ انہوں نے بہت مضبوط خیمے بنائے ہوئے تھے۔ بے کار اپنی دولت خرچ کرتے اور فخر کرتے تھے۔ ان کے جسم مضبوط اور ٹھوس تھے۔ ڈیل ڈول میں ان کے جسموں کا زیادہ پھیلاؤ تھا۔ بہت کھاتے تھے اور کمزوروں پر ظلم کرتے تھے۔ یمن میں رہنے والی قوم عاد میں ایک بہت بہترین اور باعزت انسان بھی تھے۔ ان کا نام حضرت ہود علیہ السلام تھا۔ ان کی رنگت سرخ و سفید اور باوقار شخصیت تھی۔ وہ انہیں اللہ کا پیغام دیتے تو وہ ہنستے اور کہتے کہاں ہے اللہ؟ حضرت ہود علیہ السلام کے سچے نبی تھے۔ آپ علیہ السلام فرماتے۔

"اللہ ہر باغ میں، ہر دشت میں اور ہر سنگ میں ہے۔ وہ ہر منزل ہر مقام میں ہے۔ غور کرو اللہ ہر عزم اور ہر ارادے میں ہے۔ میرا اللہ ہر آن میں ہر بات میں اور دنیا کے ہر ڈھنگ میں موجود ہے۔ تم گناہ گار ہو جن بتوں کو خود بناتے ہو اس کی پوجا کرتے ہو۔ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ غرور اللہ کو پسند نہیں۔" منکرین نے جواب دیا۔

"ہم اپنے معبود نہیں چھوڑ سکتے اگر تم سچے ہو تو دکھاؤ وہ عذاب جس کا تم خوف دلاتے ہو ورنہ تم پر ہم ظلم ڈھائیں گے تم نے ہم سے جھوٹ بولا۔" حضرت ہود علیہ السلام نے اس موقع پر فرمایا۔

"خدا اپنے نیک بندوں پر ایسا مہربان ہوتا ہے جیسے ماں باپ اپنی اولاد پر مہربان ہوتے ہیں۔ میں خدا کا امانت دار ہوں میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے اگر تم نے اللہ کا حکم نہ مانا تو تم پر عذاب واقعی ہوگا۔ تم بتوں کے نام من گھڑت لیتے ہو۔ اب انتظار کرو عذابِ الٰہی کا جو ضرور آئے گا۔"

قوم عاد حضرت ہود علیہ السلام پر ہنسنے اور مذاق اڑانے لگے۔

"ہمیں بھلا کون ہلاک کر سکتا ہے۔ ہم سے زیادہ طاقتور تو کوئی نہیں اگر تم سچے ہو تو دکھاؤ وہ عذاب جس کا تم ہمیں بار بار خوف دلاتے ہو۔" قوم عاد کی نافرمانی کی وجہ سے اللہ پاک نے بارش روک دی اُن کے فصل اور باغات جل گئے۔ ان کے بڑے بڑے رئیس اور سردار ستر آدمی اپنی قربانیاں لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ اس وقت یہاں کافرین کی بھی دعائیں قبول ہو جاتی تھیں۔ اللہ نے بادل تین ظاہر کیے۔ سیاہ، سفید اور سرخ ندا آئی۔ ایک بادل کا انتخاب کر لو۔"

انہوں نے ایک سیاہ بادل کا نام لیا۔ سرخ اور سفید بادل غائب ہو گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام نبی تھے وہ جانتے تھے۔ یہ بادل نہیں سیاہ ناگ ہے۔ "توبہ کرو۔" لیکن قوم عاد سیاہ بدلیوں کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھی وہ سمجھی یہ رحمتوں کی باراں ہے۔ سیاہ بادل سے تو بارش ہوتی ہے اب تو مینہ برسے گا۔ ہر جگہ شاداب ہو جائے گی اور ساتھ حضرت ہود علیہ السلام پر ہنسنے لگے یہ تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام عذاب الٰہی کو آتا دیکھ رہے تھے۔ آپ نے چار ہزار لوگ جو آپ کے ساتھ کھڑے تھے اور دین قبول کر چکے تھے۔ انگلی کی مدد سے اپنے اور ان کے ارد گرد ایک بڑا دائرہ بنایا اور وہ دائرے کے اندر رہے۔

اچانک طوفانی ہوا چلنا شروع ہو گئی۔ ہوا کی شدت دیکھ کر لوگ اپنے مضبوط گھروں میں گھس گئے۔ اور رسیوں سے ایک دوسرے کو باندھ دیا۔ گھر کی چیزیں اڑنے لگیں درخت مکان گرنے لگے۔ جن کے پاس جانور تھے۔ انہوں نے جانوروں کو زنجیروں سے باندھا اور کچھ نے اپنے آپ کو اونٹوں سے باندھا۔ ہوا نے انہیں جانوروں سمیت زمین پر دے مارا۔ خدا نے انہیں ان کے غرور کی سزا دی۔ جسمانی تکبر میں مبتلا لوگوں کو پہلوانی کا مظاہرہ دکھایا۔ ان کے سر ہاتھ پیر جسموں سے جدا ہوئے وہ زمین پر ایسے گرے ہوئے تھے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے گر پڑے ہوں۔ گاؤں سے ہوا شہر کی طرف آئی۔ شہریوں نے اپنے بیوی بچوں کو بادل کے نیچے رکھا۔ بادِ صرصر کے مردوں اور عورتوں کو زمین سے اڑا کر ہوا میں معلق رکھا اور پھر ویرانوں اور پہاڑوں پر پارہ پارہ کر دیا۔ باقی لوگ اپنے مضبوط گھروں میں جا چھپے ان میں سے بعض دیواروں اور چھتوں کے گرنے سے دب کر ہلاک ہوئے۔ اس طرح بہت سے لوگ اپنے مکانوں اور باغوں سمیت نیست و نابود ہو گئے۔

یہ ہوائی طوفان شوال کی بائیس تاریخ بدھ کی صبح شروع ہوا۔ 19 شوال بروز بدھ کو ختم ہوا۔ سات رات اور آٹھ دن یہ عذابِ الٰہی عادیوں پر مسلسل رہا۔ وہ لوگ جو سیاہ بادل کو دیکھتے ہی اپنے اپنے تالاب اور حوضوں کو صاف کر چکے تھے۔ کھیتوں کے بیج درست جنہوں نے درست کر لیے تھے اور سمجھے تھے بدلی ان کی خواہش کے مطابق برسے گی ان لوگوں کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ اسی ہوا نے ان کی لاشوں کو دریا میں ڈال دیا تھا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور دائرے کے حصار میں لوگوں کو ہوا چھو کر بھی نہ گزری۔ مکانات انہوں نے دوبارہ تعمیر کیے اور اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے لگے۔ عذابِ الٰہی دیکھ کر انہیں حضرت ہود علیہ السلام کی بشارت پر اور یقین بڑھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کے سچے اور پیارے نبی تھے۔ افسوس! اپنے نبی کو جھٹلانے پر قوم عاد نے رسوائی عذاب کا مزہ چکھا اور یہ قوم عبرت بنی۔

الفاظ	معانی
ستون	کھمبے
تکبر	غرور
منکر	انکار کرنے والے
بادِ صرصر	میدان میں آواز کے ساتھ والی ہوا
معلق	اٹھائے رکھنا
بدلی	بادل کا ٹکڑا
دشت	جنگل میدان
باراں	بارش
پارہ	ٹکڑا
سنگ	پتھر
مینہ	برسات
نیست و نابود	ختم ہو جانا
شاداب	تازہ

الفاظ	معانی
ڈھنگ	طریقہ
طویل	لمبے
پیروی	بات ماننا
ندا	آواز
ڈیل ڈول	جسامت
معلق	اٹھائے رکھنا

چیکو کی نصیحت

نشا وقار

سنی سنائی بات ہے کہ ایک ہرے بھرے جنگل میں میٹھے پانی کے تالاب کے کنارے ناریل کے درختوں کی جڑوں میں، ننّھا گھونگا اپنے خاندان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اکثر بارش کے دنوں میں ننّھا گھونگا رینگتے رینگتے تالاب کے کنارے آکر بیٹھ جاتا اور بڑی حسرت سے تالاب میں تیرتی مچھلیوں اور پھدکتے مینڈکوں کو دیکھ کر سرد آہیں بھرا کرتا تھا۔ ایک دن اس کی حسرت بھری نگاہوں کو دیکھ کر تالاب میں پھدکتا چیکو مینڈک اس کے پاس آیا اور اس سے اس کی اداسی کی وجہ پوچھنے لگا: "مجھے بارشیں بے حد پسند ہیں اور بارشوں میں مچھلی کی طرح پانی میں تیرنا اور مینڈکوں کی طرح پانی میں اُچھل کود کرنا میرا خواب ہے۔" یہ کہہ کر ننّھا گھونگا حلق پھاڑ پھاڑ کر رونے لگا۔ اس کے رونے دھونے سے پانی میں تیرتی مچھلیاں سہم کر ایک جگہ جمع ہو گئیں، جب کہ مینڈک غصے سے ٹرٹرانے لگے۔ "تو اس میں رونے والی کیا بات ہے میاں ننّھے؟ میں ہوں نا تمہارا دوست! میں تمہیں تالاب کی سیر کراؤں گا۔" اور اس طرح دونوں ایک دوسرے کے جگری دوست بن گئے اور ہر سال بارشوں میں چیکو مینڈک ننّھے گھونگے کو کنول کے پھول پر اپنے ساتھ بٹھا کر تالاب کی سیر کرانے لگا، لیکن ایک بار پھر ننّھے گھونگے پر اداسی کے دورے پڑنے لگے۔ ننّھا گھونگا جب بھی برسات کے دنوں میں پروانوں اور مکھیوں کو اپنے آس پاس منڈلاتا دیکھتا تو اداس ہو جاتا۔ ایک دن چیکو مینڈک سے رہا نہ گیا تو اس نے ننّھے گھونگے سے پوچھ ہی لیا: "کیا بات ہے میرے پیارے دوست! کیوں اداس ہو؟ کیا تمہیں آج تالاب کی سیر پر مزہ نہیں آیا؟" ننّھے میاں کو اداس دیکھ کر چیکو مینڈک افسردہ ہو گیا۔ "نہیں نہیں، میرے پیارے دوست! تالاب کی سیر تو مجھے بے حد پسند ہے، اس طرح پانی میں مچھلی کی طرح تیرنے کی میری خواہش پوری ہو جاتی ہے، جس کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں، لیکن۔۔۔!" اتنا کہہ کر گھونگے میاں کی ننّھی منّی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ "لیکن کیا۔۔۔؟ ننّھے گھونگے بتاؤ، بتاؤ چیکو کے ہوتے یوں اپنی چنّی چنّی آنکھوں میں آنسو تو نہ لاؤ۔" چیکو مینڈک ننّھے گھونگے کو ہنسانے کے لیے اِدھر سے اُدھر پھدکنے لگا۔ "چیکو یار! برسات کے دنوں میں میرے بچپن کے دوست مکھیاں اور پروانے جب جنگل کا رُخ کرتے ہیں تو!" اتنا کہہ کر ننّھا گھونگا حسبِ عادت حلق پھاڑ کر چیخ چیخ کے رونے لگا، اس کے حلق پھاڑ کر رونے سے آس پاس اڑتے پروانے، مکھیاں، ڈر کر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے گرتے پڑتے اڑ گئے۔ "تو کیا ننّھے گھونگے؟" چیکو مینڈک نے دونوں کانوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر چلاتے ہوئے اُکتا کر کہا وہ اب بے زار ہونے لگا تھا، ننّھے گھونگے کی ہر تھوڑے دنوں بعد رونے دھونے کی عادت سے۔ "میری پانی میں مچھلی کی طرح تیرنے کی خواہش تو تم نے پوری کر دی میرے پیارے دوست! لیکن۔۔۔!" ننّھا گھونگا ایک بار پھر چپ ہو گیا۔ "پھر، لیکن؟" چیکو نے بے زاری سے گھونگے کو گھورا۔ "مجھے اب مکھیوں اور پروانوں کی طرح اونچائی سے بارش کے دنوں میں جنگل کی خوب صورتی دیکھنی ہے۔" ننّھے گھونگے نے ایک حسرت بھری نگاہ آسمان پر اُڑتے پرندوں پر ڈالی اور آہستہ آہستہ دوبارہ بولنا شروع کیا: "میری خواہش ہے کہ میں اُڑتا ہوا بلندی تک جاؤں اور ناریل کی سب سے اونچی شاخ پر بیٹھ کر برستی بارش کا مزہ لوں۔" ننّھے گھونگے کی بات سن کر چیکو نے اپنا سر پیٹ لیا۔ گھونگے کی باتیں سن کر چیکو کو اس پر غصہ تو بہت آرہا تھا، لیکن گھونگے میاں کو سمجھانا بھی بہت ضروری تھا۔ چیکو کو ڈر تھا کہ کہیں ننّھا گھونگا اپنی حد سے بڑھتی خواہشات کو پورا کرنے کے چکر میں اپنا بہت بڑا نقصان ہی نہ کر لے۔ "سنو میاں گھونگے! اللہ کے ہر کام میں ہمارے لیے اچھائی ہوتی ہے، اگر اللہ نے تمہیں زمین پر رینگنے والا کیڑا بنایا ہے تو اس میں اللہ نے تمہارے لیے کوئی نہ کوئی بہتری رکھی ہے، لہٰذا اپنی خواہشات کا دائرہ ایک حد تک رکھو، اگر تم اس حد کو پار کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔" یہ کہہ کر چیکو مینڈک نے اپنی راہ لی، وہ جان گیا تھا ننّھے گھونگے کی خواہشات کا آسمان دن بدن وسیع ہوتا ہی جارہا ہے اور ان خواہشات کے آگے ننّھے گھونگے کو کسی کی کوئی بات سمجھ نہیں آرہی۔ چیکو مینڈک جان گیا تھا کہ ایک دن ننّھا گھونگا اپنی حد سے بڑھتی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بہت بڑا نقصان اٹھائے گا اور وہ ہی ہوا جس کا چیکو کو ڈر تھا۔ ایک دن چیکو مینڈک نے دیکھا ننّھا گھونگا جنگلی چڑیا کے اوپر بیٹھ کر اونچائی سے جنگل کا نظارہ کر رہا ہے اور خوب زور زور سے قہقہے لگا رہا ہے اور چیخ چیخ کر خوشی سے نعرے لگا رہا ہے: "یا ہو! میری آسمان میں اُڑنے کی خواہش پوری ہو گئی۔" اس سے پہلے چیکو مینڈک ننّھے گھونگے کو جنگلی چڑیا کے خطرناک ارادوں سے خبردار کرتا، ننّھا گھونگا جنگلی چڑیا کے بچوں کی خوراک بن چکا تھا۔ ننّھے گھونگے کی عبرت ناک موت نے چیکو کو رنجیدہ کر دیا۔ ننّھے گھونگے کی حد سے بڑھتی خواہشات اسے لے ڈوبی۔۔۔!!

بہترین پیادہ

بنتِ تاجور

وہ بہادروں میں سے ایک تھے اور دوڑ میں گھوڑوں سے مقابلہ کرتے تھے اور اتنے تیز رفتار تھے کہ گھوڑوں سے آگے بڑھ جاتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ "بہتر سواروں میں ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہتر پیادوں میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔"

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے نڈر صحابیٔ رسول ﷺ تھے۔ تیر اندازی میں خاص مہارت رکھتے تھے۔

آپ کا نام سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلمی حجازی مدنی، کنیت ابو عامر اور ابو مسلم ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو ایاس حجازی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 6ھ سے پہلے دینِ اسلام قبول کیا، اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔

مدینہ آنے کے بعد قریب قریب تمام غزوات میں شریک رہے۔ سب سے پہلے غزوۂ حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ صلحِ حدیبیہ کے سلسلہ میں بیعتِ رضوان کو تاریخِ اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے، جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر مسلمانوں سے موت پر بیعت لینا شروع کی تو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی۔

غابہ، مدینہ منورہ سے چار پانچ میل دوری پر ایک آبادی تھی۔ وہاں پیارے نبی ﷺ کے کچھ اونٹ ذی قروہ کی چراگاہ میں چرا کرتے تھے۔ قبیلہ بنو غطفان نے ان کو لوٹا اور اونٹوں کو چرانے والے چرواہے کو قتل کر کے اونٹوں کو لے کر وہاں سے چل دیے۔ لٹیرے گھوڑوں پر سوار اور ہتھیاروں سے لیس تھے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت صرف بارہ تیرہ سال کے بچے تھے۔ اتفاق سے صبح صادق گھر سے نکلے، وہ پیدل تیر کمان لیے ہوئے غابہ کی جانب چلے جا رہے تھے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی للہ تعالیٰ عنہ کے غلام نے ان سے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ کے اونٹ لُٹ گئے، پوچھا کس نے لوٹا، کہا بنو غطفان نے، یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زور کا نعرہ لگایا کہ مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک آواز گونج گئی اور تَنِ تنہا ڈاکوؤں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ ڈاکو پانی تلاش کر رہے تھے کہ سلمہ بن اکوع ان کے سر پر پہنچ گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدل تھے اور بہت تیز دوڑتے تھے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے گھوڑے کو پکڑ لیتے تھے، لیکن گھوڑا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پکڑ سکتا تھا، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاک تاک کر تیر برسانا شروع کر دیے، تیر برساتے جاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

اَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعِ

"میں اکوع کا بیٹا ہوں آج کا دن سخت جنگ کا دن ہے۔"

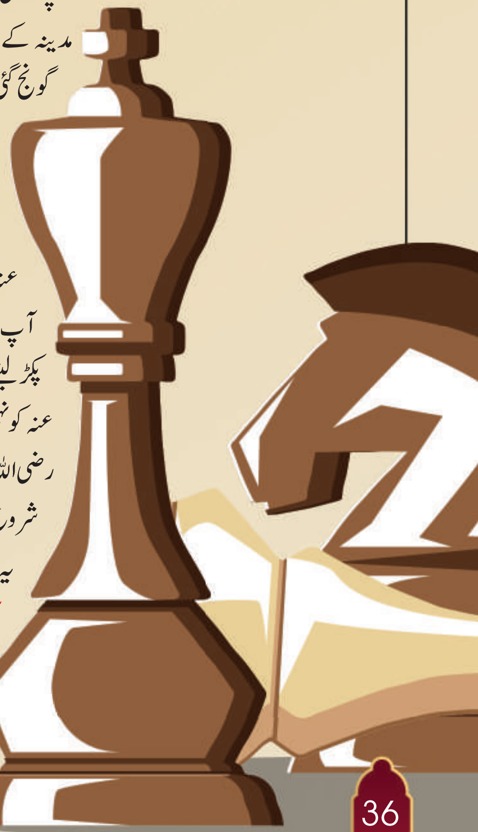

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر تیر برسائے کہ ڈاکوؤں کو اونٹ چھوڑ کر اپنی جان بچا کر بھاگ جانا پڑا، وہ بدحواسی میں اپنی چادریں و دیگر سامان بھی چھوڑ گئے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غرض میں ان کے تعاقب میں بھاگتا رہا، حتی کہ جتنے اونٹ انھوں نے میرے آقا ﷺ کے لوٹے تھے، سب میرے پیچھے ہو گئے۔

اتنے میں عیینہ بن حصان کی ایک جماعت ان ڈاکوؤں کی مدد کو پہنچ گئی، جس سے ان کو قوّت حاصل ہو گئی۔ ساتھ ہی انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلمہ بن اکوع رضی للہ تعالیٰ عنہ اکیلے ہیں۔ ان ڈاکوؤں نے کئی آدمی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے لگا دیے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑ کر ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہ بھی ان کے پیچھے چڑھ گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے کہا: "تم مجھے جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟" انھوں نے کہا: "بتا کون ہے؟" وہ بولے: "میں ابنِ اکوع ہوں۔ اللہ پاک کی قسم! جس نے محمد ﷺ کو عزت دی، تم سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور میں تم سے جس کو پکڑنا چاہوں، وہ مجھ سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا۔" حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ دعویٰ کچھ عجیب نہیں تھا، کیوں کہ وہ عربی گھوڑے سے بھی بہت زیادہ تیز دوڑتے تھے۔

اس دوران پیارے نبی ﷺ لوگوں کو لے کر پہنچ گئے، سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے ان لوگوں کو پانی نہیں پینے دیا ہے، اگر ابھی ان کا تعاقب کیا جائے تو مل جائیں گے۔" لیکن رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا کہ "قابو پانے کے بعد در گزر کرو۔"

غزوۂ خیبر میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ فتحِ خیبر کے بعد غزوۂ ثقیف و ہوازن میں شریک ہوئے، اس غزوۂ کے دوران میں ایک شخص مسلمانوں کے لشکر گاہ میں اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس کو باندھ کر مسلمانوں کے ساتھ ناشتہ میں شریک ہو گیا، اس کے بعد چاروں طرف نظر ڈال کر مسلمانوں کی طاقت کا جائزہ لیا اور سوار ہو کر تیزی سے نکل گیا، اس طرح اچانک آنے اور فوراً چلے جانے سے مسلمانوں کو اس پر جاسوسی کرنے کا شبہ ہوا۔ ایک شخص نے اس جاسوس کا پیچھا کیا، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جاسوس کے تعاقب میں گئے اور آگے بڑھ کر اس کو پکڑ لیا اور تلوار کا ایسا زبردست وار کیا کہ ایک ہی وار میں وہ ڈھیر ہو گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی سواری پر قبضہ کر کے واپس ہوئے۔ سپہ سالارِ اعظم ﷺ نے دیکھا تو پوچھا: "اس شخص کو کس نے قتل کیا۔" لوگوں نے عرض کیا: "سلمہ نے۔" فرمایا: "تو مقتول کا سب سامان ان کا ہے۔"

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان لانے کے بعد بیشتر روایتوں کے مطابق 14 غزوات میں شرکت کی۔ مستدرک کی روایت کے مطابق ان غزوات کی تعداد سولہ تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے سات میں آں حضرت ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا اور سات وہ تھے، جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف اطراف میں بھیجے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شجاعت و بہادری خصوصاً پیدل تیز دوڑنے میں تمام صحابہ میں ممتاز تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیارے نبی ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ میں رہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں رہائش اختیار کر لی۔ ۷۴ھ میں پھر مدینہ واپس ہوئے، واپسی کے دو، چار دن کے بعد وفات پائی اور مدینہ منورہ میں سپردِ خاک ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عقل کا کیڑا

قرۃ العین خرم ہاشمی

"شہرام! جلدی سے باہر آؤ۔" سعدیہ نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ اسکول وین میں تھوڑی دیر باقی تھی۔ ابھی تو اس نے تیار ہو کر ناشتہ بھی کرنا تھا۔

"یہ لڑکا ہمیشہ دیر کرتا ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔ اسی وقت وہ یونیفارم پہن کر باہر نکلا اور ماں کی تیز نگاہوں سے بچنے کے لیے، اپنا رُخ دوسری طرف موڑ لیا۔

"جلدی سے آؤ۔ میں لنچ باکس پیک کر رہی ہوں۔" انھوں نے اسے دیکھتے ہی سکون بھری سانس لی اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔ شہرام نے سکھ کا سانس لیا۔

"شکر ہے آج بھی بچ گیا۔"

دس سالہ شہرام نے اپنی چالاکی پر خود کو داد دی۔ وہ روز جان بوجھ کر یونیفارم پہننے کے بہانے واش روم میں بند ہو جاتا اور عین وقت پر باہر نکلتا، تاکہ ماں کی تیز نگاہوں سے بچ سکے۔ ابھی اس نے ناشتہ پورا بھی نہیں کیا جب اسکول وین کا ہارن سنائی دیا۔ وہ ہاتھ میں سینڈوچ اور کندھے پر بستہ ڈالے تیزی سے باہر کی طرف بھاگا۔

"آرام سے لڑکے! وین بھاگی نہیں جا رہی۔"

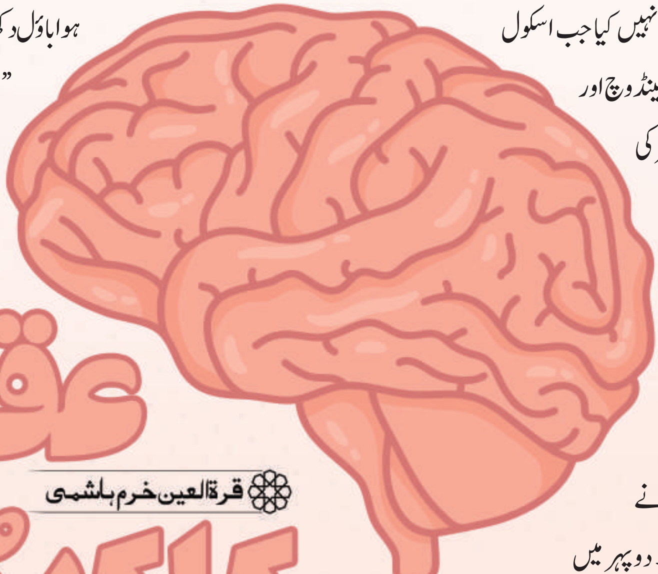

دادی جان کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس پر کچھ پڑھ کر دم کرنے لگی اور ساتھ ہی ہدایت کی۔ اس نے جلدی کی وجہ سے ان سُنی کر دیا۔ دوپہر میں جب وہ اپنی بہن عطیہ کے ساتھ گھر آیا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا جبکہ عطیہ کا پھولا ہوا۔

"یہ تم دونوں کو کیا ہوا ہے؟" دادی جان نے چشمے کے اوپر سے انھیں گھورا۔ بارہ سالہ عطیہ غصے سے بھری ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"آپ کے لاڈلے پوتے کی وجہ سے اتنی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ آپ کو پتا ہے؟ یہ روزانہ دانتوں پر برش نہیں کرتا، جبکہ مِس ہر روز اسے ہدایت دے رہی تھیں، مگر یہ کسی کی سنتا کب ہے؟ آج انھوں نے اسٹاف روم میں مجھے بلا کر اس کی شکایت کی۔ سب ٹیچر حیران ہو رہی تھیں کہ اتنا بڑا لڑکا اور دانت صاف نہیں کرتا۔ اس لیے منہ سے اتنی بدبو آتی ہے۔" اس نے تیز لہجے میں بول کر ساری بات بتائی۔

"اسی لیے ہر روز منہ دھونے کے بہانے، واش روم میں بند ہو جاتا ہے، تاکہ جلدی کی وجہ سے میں دانت نہ دیکھ سکوں۔" سعدیہ نے غصے سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"بہت بری بات ہے بیٹا! اس طرح تو دانتوں کو کیڑا لگ جائے گا۔" دادی جان نے نرمی سے سمجھایا۔

"سب مجھے ہی برا بول رہے ہیں۔" وہ منہ بنا کر کہتا ہوا، وہاں سے چلا گیا۔

"دیکھا آپ نے! میں بابا سے شکایت کروں گی۔" عطیہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"میں سمجھا دوں گی۔ تم یونیفارم تبدیل کر لو، پھر ہم سب مل کر کھانا کھائیں گے۔" انھوں نے نرمی سے کہا تو وہ سر ہلاتی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ دن ایسے ہی گزر گئے، مگر شہرام کی عادت نہیں بدلی۔ اتوار کو عطیہ نے دادی اور امی کو صحن میں بیٹھ کر مٹر چھیلتے دیکھا تو وہ بھی ان کے پاس بیٹھ کر مدد کروانے لگی۔ شہرام وہاں سے گزرا تو وہ بھی رُک گیا۔ اسے مٹر بہت پسند تھے۔ ہرے اور سبز دانے دیکھ کر وہ فوراً آگے بڑھا اور مٹر چھیلنے میں مدد کرنے لگا۔ ساتھ ساتھ نظر بچا کر تازہ مٹر منہ میں بھی رکھ لیتا۔

"میں نے سب سے زیادہ مٹر چھیلے ہیں۔" شہرام نے بہن کو منہ چڑاتے ہوئے، اپنا بھرا ہوا باؤل دکھایا۔

"اس لیے کیوں کہ تم زیادہ مٹر کھاتے ہو۔" عطیہ نے بھی بدلہ اتارا۔ دادی جان اور سعدیہ ان کی نوک جھوک پر مسکرا دیں۔ اچانک شہرام کی تیز چیخ ابھری، سب چونک گئے۔

"کیا ہوا؟" دادی جان نے گھبرا کر پوچھا تو اس نے ہاتھ سے پھینکی ہوئی پھلی کی طرف اشارہ کیا۔ سب نے دیکھا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ایک موٹی تازی سنڈی کو دیکھ کر وہ اس کے ڈرنے کی وجہ جان گئے تھے۔

"سوچو بھائی! اگر ایسا ہی موٹا تازہ کیڑا، تمہارے دانتوں پر لگ جائے تو؟ کیوں کہ دانت تو تم صاف کرتے نہیں ہو۔" عطیہ نے ڈرایا۔

"اللہ نہ کرے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"بیٹا! اگر اتنا ڈر ہے تو پہلے اپنی کم عقلی کے کیڑے کو مارو، جو تمھیں دانتوں جیسی نعمت کی قدر کرنے نہیں دے رہا۔"

دادی جان نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ شہرام سوچ میں پڑ گیا۔ اگلے دن سارا گھر حیران تھا، جب شہرام نے دانت صاف کرنے میں کافی دیر لگائی اور فخریہ انداز میں اپنے چمکتے دانت سب کو دکھانے لگا۔

"دیکھنا میرے دانت اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ ان پر کوئی کیڑا اثر نہیں کرے گا۔ میں اب ان کا خاص خیال جو رکھوں گا۔"

اس نے یقین بھرے لہجے میں کہا تو سب نے سر ہلایا کہ شکر ہے، مٹر کے چھوٹے سے کیڑے نے اسے زندگی بھر کا اہم سبق سکھا دیا تھا۔

بوبی بھالو اور چالاک لومڑ

سمیرا انور

"ارے بوبی بھیّا! تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" لومڑ نے اپنی جھاڑی سے جھانکتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"یہ تو میرا روز کا معمول ہے، کھانے کے بعد کچھ دیر چہل قدمی ضرور کرتا ہوں۔" بوبی بھالو اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ لومڑ بہت چالاک تھا، وہ کچھ دن سے بوبی بھالو کی حرکات کو نوٹ کر رہا تھا کہ وہ کس وقت کہاں جاتا ہے اور کس وقت واپس آتا ہے۔

"اچھا تو اب تمہارا کس طرف جانے کا ارادہ ہے؟" لومڑ نے چالاکی سے پوچھا۔

"پیپل کے درخت تک ہی جاؤں گا۔" بوبی بھالو اس کی عیاری سے واقف نہیں تھا، اس لیے اس نے جگہ بھی بتا دی۔ یہ سن کر لومڑ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

یہ ایک گھنا جنگل تھا، جس میں بہت سے جانور رہتے تھے۔ بوبی بھالو بھی اسی جنگل میں رہتا تھا۔ وہ بہت ذہین اور تیز دماغ تھا۔ اس کی اسی ذہانت کی وجہ سے لومڑ اس سے حسد کرتا تھا۔ بوبی بھالو اچھی سوچ کا مالک تھا، اس نے کبھی کسی کا برا نہیں سوچا تھا۔ جنگل میں سبھی اس کی تعریف کرتے تھے، مگر لومڑ اسے پسند نہیں کرتا تھا، وہ بوبی بھالو کی ذہانت کو کسی نہ کسی طریقے سے شکست دینا چاہتا تھا، بل کہ اب تو اس نے بوبی بھالو کو جان سے مارنے کا بھی سوچ رکھا تھا۔

"اچھا تو اس وقت یہ پیپل کی طرف جاتا ہے۔" لومڑ کے شیطانی دماغ نے ایک منصوبہ بنا ہی لیا۔ اب اسے جلد سے جلد اس پر عمل کرنا تھا۔ لومڑ کا رُخ شیر میاں کی کچھار کی طرف تھا۔ شیر ہی بوبی بھالو کو سبق سکھا سکتا تھا اور اس کی عقل مندی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتا تھا۔

"شیر... شیر بادشاہ! آپ کہاں ہیں؟ غضب ہو گیا ہے اور آپ کو علم ہی نہیں ہو سکا۔" لومڑ نے ان کی کچھار میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اوہ! کیا ہو گیا ہے اور تم یہ کس طرح کی باتیں کر رہے ہو، جنگل میں کچھ بھی ہو جائے اور مجھے علم ہی نہ ہو۔" شیر نے غصے سے دہاڑتے ہوئے کہا۔

"بادشاہ سلامت! مجھے تو سن کر ہی بہت دکھ ہوا ہے کہ آپ کے بارے میں کوئی ایسی بات بھی کر سکتا ہے۔" لومڑ نے اپنے لہجے کو غم گین بناتے ہوئے کہا۔

"تم پوری بات بتاؤ، پھر دیکھو میں اس کا کیا حال کرتا ہوں۔" شیر نے لومڑ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"آپ جنگل کے بادشاہ ہیں اور اس جنگل میں آپ سے زیادہ کوئی بھی ذہین اور عقل مند نہیں ہے۔" لومڑ نے خوشامدی انداز میں کہا۔

"ہاں، بالکل ایسا ہی ہے اور کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ میری کسی صلاحیت کا مقابلہ کر سکے۔" شیر نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تکبر سے جواب دیا۔

"اس بوبی کے بچے نے کیا کہا ہے صرف یہ بتاؤ۔ اس کی تو میں ابھی خبر لوں گا۔" شیر نے غصے سے اپنی داڑھی کو کھینچتے ہوئے کہا۔

"بوبی بھالو نے کہا ہے کہ وہ سب سے زیادہ ذہین ہے اور پورے جنگل میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" لومڑ نے شیر کے غصے کو مزید بڑھایا۔

"ابھی دیکھتا ہوں اس فطین بھالو کو..." شیر یہ کہہ کر آگے بڑھا ہی تھا کہ لومڑ نے اپنی بازی اُلٹتے دیکھ کر اس کا راستہ روک لیا اور بولا: "بادشاہ سلامت! یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے، اس طرح جنگل کے سب جانور بھی آپ کے مخالف ہو جائیں گے۔ میں آپ کو ایک تجویز دیتا ہوں، آپ اس پر عمل کریں، پھر دیکھیں بوبی میاں کی ذہانت منظر سے ہی غائب ہو جائے گی۔" لومڑ کی بات سن کر شیر سوچ میں پڑ گیا اور اپنی جگہ پر دوبارہ سے بیٹھ گیا۔ لومڑ بھی اس کے قریب بیٹھ کر سرگوشی بھرے انداز میں اپنی تجویز بتانے لگا۔ اس کی ساری بات سن کر شیر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

شام کا وقت تھا۔ شیر بادشاہ نے لومڑ کا دیا ہوا کوٹ پہن لیا، تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے اور وہ پیپل کے درخت کے قریب جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ بوبی بھالو اپنے معمول کے مطابق اسی راستے کی طرف چلا آ رہا تھا کہ اچانک اسے جھاڑیوں میں سرسراہٹ محسوس ہوئی، وہ چوکنّا ہو گیا۔ بوبی بھالو نے اپنے اوپر کسی طرح کا خوف طاری نہ ہونے دیا اور جھاڑیوں کے پاس رُک گیا۔

"میں نے تمھیں پہچان لیا ہے، مگر تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔" بوبی بھالو نے ایک بھاری آواز اپنے حلق سے نکالتے ہوئے کہا۔ جھاڑیوں کی سرسراہٹ مزید بڑھ گئی۔

"یہ آواز بوبی بھالو کی نہیں ہو سکتی، پھر یہاں کون آ گیا ہے؟" شیر نے خوف سے اوپر دیکھنا چاہا۔

"اگر تم باہر نہ نکلے تو میرے ساتھ موجود پورا گروہ جھاڑیوں میں داخل ہو جائے گا۔" بوبی بھالو نے عجیب و غریب آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔

"آج تو میں بچ نہیں سکوں گا، کیوں کہ یہاں تو بہت شور مچ رہا ہے۔" شیر نے اپنا تنگ کوٹ اتارنا چاہا، لیکن بدقسمتی سے اس کے بال کوٹ کے بٹن میں پھنس گئے۔ اسے آوازیں اپنے قریب آتی ہوئیں محسوس ہونے لگیں۔ شیر نے کھینچ کر کوٹ پھاڑ ڈالا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔

بوبی بھالو نے خوف زدہ ہوئے بغیر اپنی عقل سے کام لیا اور دشمن سے بچ گیا۔ اس نے تو اپنے مخالف کو ڈرانے کے لیے مختلف آوازیں نکالی تھیں اور اسے دھمکی دی کہ وہ اسے پہچان گیا ہے۔ دوسری طرف شیر بادشاہ لومڑ کی غلط تجویز کا شکار ہو گیا تھا، اس نے خود بھی اپنی عقل سے کام نہیں لیا تھا اور اس کا تنگ کوٹ پہن لیا، تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے، مگر وہ کوٹ ہی اس کے لیے مصیبت بن گیا تھا۔ بوبی بھالو واقعی ذہین اور سمجھ دار تھا، جس نے شیر بادشاہ اور حاسد لومڑ کو سبق سکھا دیا تھا کہ صلاحیت کو کبھی کوئی چھین نہیں سکتا، چاہے کتنی ہی کوشش کر لے۔

دہشت گرد کون؟

ام محمد عبداللہ

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔

جہاں امی جان کو باسم کے بڑے بھائی نضال رازداری کے ساتھ کچھ بتا رہے تھے۔ وہ اس کمرے سے رخصت ہوئے تو ان کے ہاتھ میں ایک لفافے میں دیسی ساخت کا ایک بم تھا۔

باسم جانتا تھا، وہ بہت احتیاط سے باہر سڑک پر چلیں گے اور جیسے ہی انھیں اپنے علاقے میں کوئی اسرائیلی جیپ نظر آئے گی، وہ یہ بم اس پر پھینک دیں گے۔

"یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ میں وقار اور امن کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔ اسکول جانا چاہتا ہوں، کھیلنا چاہتا ہوں۔" تیرہ سالہ باسم کے حلق میں آنسوؤں کا ایک گولہ اٹک گیا تھا۔

قریب ہی اس کی دو سالہ چچازاد بہن خلیلہ کسی کاغذ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ "خلیلہ یہ مجھے دو!" باسم نے ہاتھ آگے بڑھایا تو خلیلہ اسے کاغذ تھما کر آگے بڑھ گئی۔

باسم نے اپنے کُرتے کی جیب سے ایک چھوٹی سی پینسل نکالی اور دیوار سے ٹیک لگا کر کاغذ پر لکھنے لگا۔

میری دادو بتاتی تھیں ہمارے زیتون کے باغ ہرے بھرے تھے ان میں پرندے چہچہاتے پھرتے تھے ہاں! وہاں پھول بھی کھلے ہوئے تھے اور تتلیاں بھی رقص کرتی تھیں میرے دادا جب اپنے کمرے کی کھڑکی کا پردہ ہٹاتے تھے تو سفید کبوتر سبز طوطے اور بھوری چڑیاں جھانک کر جھولے میں سوئے میرے بابا کو گیت گا کر جگاتے تھے، مگر پھر اک زلزلہ آیا وہ زلزلے کی تاریخ بھی اکثر بتاتی تھیں ماتھے پہ ہتھیلی اپنی رکھ کر کہتیں مئی کا وہ مہینا تھا نصف دن گزر چکے تھے نصف آنے والے تھے ہاں پندرہ تاریخ تھی بیٹا اور سال سال 1948 تھا، میرے بچے سنو! 15 مئی 1948 کو اک زلزلہ ارضِ مقدّس پر آیا تھا وہ ہر جانب تباہی ہی تباہی کی کہانی لکھ کر لایا تھا مہلک ہتھیار خنجر اور تلواریں اسلامیانِ فلسطین کے جسموں کے آر پار ہوتی تھیں مرد و زن بچے بڑے بوڑھے کھیتیاں کھلیان اور جانور بیچارے امن کہیں نہ پاتے تھے سپلائی لائنیں پانی کی زہر آلودہ کر دی گئیں تھیں جب دادو بتاتی تھیں ہمارے زیتون بکھر گئے تھے، سب۔۔۔۔ پرندے ڈر کے اڑ گئے تھے، سب۔۔۔۔ میرے بابا کا جھولا بھی ٹوٹا پڑا تھا اک طرف میری دادو اس دن کو یومِ نکبہ بتاتی تھیں دادو بتاتی تھیں بتاتی تھیں بتاتی تھیں اور پھر چپ ہو جاتی تھیں میں آج 3 جولائی 2023 میں جنین کے پناہ گزین کیمپ میں بیٹھا خود کو اسی زلزلے کی زد میں پاتا ہوں، UNO کی ایجنسی انروا بتاتی ہے یہ کیمپ 0.42 مربع کلو میٹر میں سمٹا چودہ ہزار فلسطینیوں کے لیے اک جیل جیسا ہے جہاں ہم نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر تہہ بہ تہہ سیاہ راکھ تلے ہمارے ہنسنے پڑھنے اور کھیلنے کے سب خواب دبتے ہی جاتے ہیں اللہ! میرے کان اور دل اسرائیلی زمینی اور فضائی حملوں سے پھٹتے جاتے ہیں یہ دنیا کسے دہشت گرد بتاتی ہے؟ میں سمجھ نہیں پاتا وہ جو دوسروں سے گھر اور زندگیاں چھین لیتے ہیں امن کے داعی کہلائیں اور جو اپنی جان اور گھر کی حفاظت میں لڑیں دہشت گرد کہلائیں مگر میں کچھ نہیں جانتا نہ جاننے کی کچھ خواہش ہی باقی ہے۔ میں بس ہنسنا کھیلنا اور پڑھنا چاہتا ہوں۔

"باسم! باسم! خلیلہ کہاں ہے؟" چچی جان گھبرائی ہوئی باسم کو پکار رہی تھیں۔

"خلیلہ ابھی تو یہیں کھیل رہی تھی، میں دیکھتا ہوں۔" باسم جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

کاغذ زمین پر آ گرا تھا، البتہ پینسل باسم نے اپنی انگلیوں میں دبا رکھی تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکلا۔

اسرائیلی فوجیوں نے سارے علاقے پر دھاوا بول رکھا تھا۔ ہر جانب گولیوں اور گیس بموں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ ایمبولینس اور صحافیوں کو جنین میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔

ایک اسرائیلی بلڈوزر ہسپتال کے قریب گاڑیوں اور دکانوں کو تباہ کر رہا تھا۔

مگر باسم کو اس سب سے کچھ سروکار نہیں تھا، اس کی نگاہیں چاروں جانب پھیلے کالے سیاہ دھوئیں میں خلیلہ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"خلیلہ!" وہ وہاں سامنے تھی۔ "خلیلہ!" وہ تیزی سے اس کی جانب دوڑا۔ "بھائی!" خلیلہ کی آنکھوں میں دھواں اور آنسو بھرے ہوئے تھے۔ گیس شیلنگ کے باعث اس کا دم گھٹ رہا تھا، سانسیں اُکھڑ رہی تھیں۔ وہ باسم کے سامنے چکرا کر گر گئی تھی۔

باسم کا اپنا دم بھی گھٹ رہا تھا۔

سامنے سے اسرائیلی فوجیوں کی جیپ آ رہی تھی۔

خلیلہ کے قاتل۔۔۔۔

اس کی انگلیوں میں دبی پینسل گر گئی تھی۔

اس نے میکانکی انداز میں قریب ہی پڑے ایک پتھر کو زور سے جیپ کا نشانہ لے کر مارا۔

جیپ کے سامنے کا شیشہ چکنا چور ہو گیا تھا اور بزدل اسرائیلی دہشت گرد فوجی دہشت گردی کے جرم میں باسم کو گرفتار کر رہے تھے۔

بچوں کے فن پارے

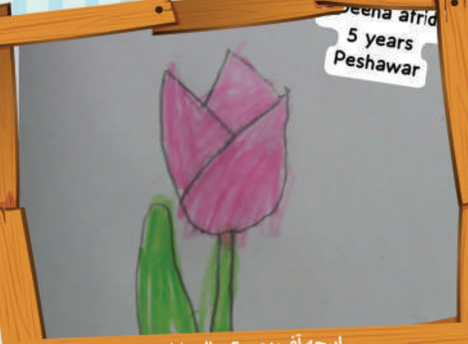

ابیحہ آفریدی ، 5 سال پشاور

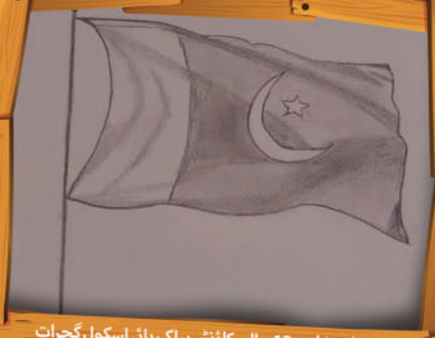

انعم احتشام ،13سال ،کاؤنٹی پبلک ہائی اسکول گجرات

سارہ عمیر ہوم اسکولنگ کراچی

سدیم صفی طارق،11سال،اسلام آباد

صالحہ احتشام 14 سال گورنمنٹ اسکول جلال پور جٹاں

عائشہ خرم ، ہفتم روضۃ السلام لنک روڈ کراچی

محمد انس نعمان ،شاہین ہو م اسکول اوکاڑہ

موحد بن حمزہ ، 10 سال ہوم اسکولنگ، اسلام آباد

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپےانعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ حیدر آباد سے **محمد بن عدیل** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

ماہنامہ فہمِ دین
اکتوبر2023ء کے سوالات

سوال 1: خصلت کے کیا معنی ہیں؟

سوال 2: جنگ حنین کے دن پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا چیز دشمنوں کی طرف پھینکی؟

سوال 3: شہادت کے وقت حضرت شماس رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک کیا تھی؟

سوال 4: خارپشت کی اداسی اور خاموشی کی کیا وجہ تھی؟

سوال 5: قائداعظم نے اپنی زندگی کے آخری ایام کہاں گزارے؟

پیارے بچو!!!

کیا آپ کو علم ہے کہ ہمارے جسم کا 70 فیصد حصہ پانی ہے اور جس زمین پر ہم آپ رہتے ہیں اس کا تقریباً 71 فیصد حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے اور کیا آپ جانتے ہیں کہ پانی زندگی کے لیے بہت اہم ہے اگر پانی نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہو، زمین پر ہرے بھرے پودے، فصلیں اور پھل پھول وغیرہ پانی ہی سے اگتے ہیں، جانوروں کی زندگی کا دارومدار بھی پانی ہی پر ہے۔ ہم سب بھی پینے کے علاوہ کھانے پکانے، نہانے دھونے اور صفائی ستھرائی کے لیے بھی پانی استعمال کرتے ہیں، اسی طرح پاور پلانٹس اور نیوکلیئر پلانٹس توانائی اور بجلی پیدا کرنے کے لیے پانی استعمال کرتے ہیں، گویا پانی ایک بہت بڑی نعمت ہے، ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے، اسے ضائع ہونے سے بچانا چاہیے اور اس کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

ستمبر2023ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: موبائل گیم

جواب 2: اسکول لائبریری کے لیے کتابیں، مستحق بچوں کے لیے اسکول کی کتابیں اور یونیفارم

جواب 3: وائٹ گولڈ

جواب 4: غرور

جواب 5: دینی قوانین

ستمبر2023ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر ترَبیلا سے لبیب حماد کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

یہ سوالات ستمبر کے فہم دین سے لیے گئے ہیں، ان کا جواب بھیجنے کی آخری تاریخ 15 اکتوبر ہے۔
جوابات کے لیے وٹس ایپ نمبر نوٹ کرلیں
03351135011

ترے در سے ہی مجھ کو سب کچھ مِلا ہے

رفیع الدین ذکی

ترا نام جس دَم بھی میں نے لیا ہے
دلِ مضطر کو سکوں مل گیا ہے

ندامت کے باعث جو آنسو بہا ہے
مرے داغِ عصیاں کو دھوتا گیا ہے

تری ذات اعلیٰ وارفع ہے سب سے
ترے در سے ہی مجھ کو سب کچھ ملا ہے

حوادث کی زد میں ہے دل کا سفینہ
کنارے لگا دے یہی التجا ہے

زمین آسماں تو نے پیدا کیے ہیں
تو خالق ہے سب کا، تو سب کا خدا ہے

کہیں آرزو کا دیا بجھ نہ جائے
زمانہ ہے برہم، مخالف ہوا ہے

مَروں جب زباں سے ترا نام نکلے
یہی ایک حسرت یہی مدعا ہے

نہیں کوئی تیرے سوا میرے مولا
ذکی پُر خطا کو ترا آسرا ہے

ہجرت کا واقعہ

ارسلان اللہ خان

بے مثل و بے مثال ہے ہجرت کا واقعہ
اسلام کا جمال ہے ہجرت کا واقعہ

ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی آغازِ جنتری
اس درجہ باکمال ہے ہجرت کا واقعہ

پیغامِ حق کو اس سے ملی خوب تقویت
مومن ہوئے سب ایک، ہوئی دور عصبیت

ملتی نہیں کہیں بھی اخوّت کی یہ مثال
سرکارِ دو جہاں ﷺ کی تھی یہ خاص تربیت

تبلیغ کے بھی خوب مواقع وہاں ملے
احکام دینِ حق کے بھی اکثر عطا ہوئے

برپا ہوا مدینے میں اسلام کا نظام
ہجرت کی برکتوں سے یہ سب سلسلے ہوئے

اتنا سہل نہیں تھا یہ ہجرت کا مرحلہ
کُفار و مُشرکین نے کیا کیا نہیں کیا

لیکن خُدا کی خاص مدد مومنوں کو تھی
جس نے یہ سارا کام ہی آسان کر دیا

ہجرت کے بعد جنگ کا جب حکم آگیا
باطل کو مومنوں نے سرے سے مٹا دیا

دراصل ارسلانؔ یہ ہجرت کا ہے ثمر
سارے عرب جزیرے پہ اسلام چھا گیا

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمدِ باری تعالیٰ

مکاں بھی تیرا ہے، کون و مکاں بھی تیرا ہے
نہاں بھی تیرا ہے مالک! عیاں بھی تیرا ہے
تو اس جہاں کا بھی خالق ہے، اس جہاں کا بھی
یہاں بھی تیرا ہے سب کچھ، وہاں بھی تیرا ہے
یہ چاند تارے یہ سورج کہکشاں بھی تری
اور ان کے بعد جو ہے وہ جہاں بھی تیرا ہے
یہ آبشار بھی یہ دریا ترے، ترے قلزم
کراں بھی تیرا ہے اور بے کراں بھی تیرا ہے
یہ مسجدیں بھی تری، تیرے منبر و محراب
نماز بھی تیری، شورِ اذاں بھی تیرا ہے
یہ لحن بھی ہے تری دین، خالقِ داؤدؑ
یہ نغمگی بھی تری، نغمہ خواں بھی تیرا ہے
یہ ناطقہ ہے تیرا، حسنِ ناطقہ بھی تیرا
بیاں بھی تیرا ہے، معجزہ بیاں بھی تیرا ہے

معجز لکھنوی

عمل نہ ہو تو خواہش ایک خواب ہے

انسان پریشان اس وقت ہوتا ہے، جب اس کے دل میں کسی بڑے مقصد کے حصول کی خواہش ہو، لیکن اس کے مطابق صلاحیت نہ ہو، سکون کے لیے یہ ضروری ہے کہ یا تو خواہش کم کی جائے یا صلاحیت بڑھائی جائے۔
ہر خواہش کے حصول کے لیے ایک عمل ہے۔ عمل نہ ہو تو خواہش ایک خواب ہے۔ ہم جیسی عاقبت چاہتے ہیں ویسا عمل کرنا چاہیے۔ کام یابی محنت والوں کے لیے، جنت ایمان والوں کے لیے اور عید روزہ داروں کے لیے۔

(کرن کرن سورج، واصف علی واصف، ص:57)

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

مدینے کی گلیاں، مدینے کی راہیں
حبیب ﷺ خدا کی یہ ہیں جلوہ گاہیں
بجز بارگاہِ رسول ﷺ دو عالم
کہاں ملتی ہیں عاصیوں کو پناہیں
ہر اک سر میں سودا صلِّ علیٰ کا
ہیں ذکرِ نبی ﷺ سے بھری خانقاہیں
نہ پوچھو فراقِ محمد ﷺ کا عالم
جگر میں خلش ہے لبوں پر کراہیں
سکوں دل کو حاصل نہیں ایک پل بھی
تڑپتی ہے حسرت، مچلتی ہیں آہیں
خُدا بھی اسی کا، خُدائی بھی اس کی
نبی ﷺ کو جو چاہے، نبی ﷺ جس کو چاہیں
کوئی پوچھنے والا حیرت نہ ہو گا
قیامت میں گر پھیر لیں وہ ﷺ نگاہیں

شاعر: حیرت الہٰ آبادی

غزوہ خیبر

خیبر مدینہ اور شام کے بیچ میں یہودیوں کا ایک جنگی مرکز تھا، یہاں ان کے بہت سے قلعے تھے، جہاں جہاں مسلمان پہنچتے جاتے تھے، یہودی وہاں سے ہٹ کر خیبر میں آکر پناہ لیتے تھے اور وہاں کے سردار عرب کے رئیسوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑائی پر آمادہ کرتے تھے۔ آں حضرت ﷺ نے چاہا کہ ان سے صلح کا کوئی معاہدہ ہو جائے، مگر انھوں نے نہ مانا اور لڑائی ضروری ہو گئی۔ مسلمانوں نے 6ھ کے آخر یا 7ھ کے شروع میں خیبر پر چڑھائی کی، یہودیوں نے قلعہ بند ہو کر لڑنا شروع کیا، مسلمانوں کو ایک ایک قلعہ فتح کرنا پڑا، آخر کئی ہفتوں کے بعد سارے قلعے سر ہوئے۔ کل 39 یہودی اس لڑائی میں مارے گئے۔ لڑائی ختم ہونے پر یہودیوں کی درخواست پر زمین کی کاشت یہودیوں کے ہاتھوں میں رہنے دی گئی اور مسلمانوں نے صرف حق مالکانہ پر قناعت کی۔

(ہماری بادشاہی، عبدالسلام قدوائی ندوی، ص:33)

اشعار

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی! ہم دور سے پہچان لیتے ہیں
فراق گھورکپوری

سیاہ رات نہیں لیتی نام ڈھلنے کا
یہی تو وقت ہے سورج ترے نکلنے کا
شہریار

کتنی عجیب ہے گناہوں کی جستجو اقبالؔ
نماز بھی جلدی میں پڑھتے ہیں پھر سے گناہ کے لیے
علّامہ محمد اقبالؔ

رفو کرا سے اے بخیہ گر! خدا کے لیے
کہ چاکِ دل سے ہوا خوش گوار آتی ہے
جلیل مانک پوری

کیوں نہ ہم چھوڑ چلیں شہر کی رونق ساغرؔ
ویسے بھی اب اسے اپنی ضرورت کم ہے
ساغرؔ صدیقی

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل
کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا
احمد فرازؔ

مینارِ اقبال

اقبال میوزیم لاہور میں چھ محرابوں پر مشتمل مینار، اس کی بنیادیں چھ فٹ گہری ہیں اور یہ 22 فٹ اونچا اور 18 فٹ کے دائرے میں ہے۔ اس کا ڈیزائن نیشنل کالج آف آرٹس لاہور کے پروفیسر احمد خان نے بنایا ہے۔ تعمیراتی کام کی نگرانی بھی کالج ہی نے کی۔ اکتوبر 1982ء میں مکمل ہوا۔ اس یادگار پر کانسی کی تین تختیاں نصب ہیں، جن میں ایک پر علّامہ اقبال کے مختصر حالاتِ زندگی اور تصانیف کے نام، دوسری پر خطبہ الٰہ آباد کا وہ تاریخی اقتباس جو نظریہ پاکستان کی اساس ہے اور تیسری پر علّامہ اقبال کی ایک نظم جوان کے نظریۂ حیات کی عکّاسی کرتی ہے، کندہ کی جائے گی۔ ان تمام تحریروں کی خطاطی ملک کے نامور خطاط جناب انور حسین نفیس نے رقم کی ہے۔

(پاکستانیکا، سیّد قاسم محمود، ص:988)

خباب بن ارتؓ پر ہونے والے مظالم

اللہ کے رسول ﷺ کے ایک اور صحابی خباب بن ارتؓ تھے۔ یہ پیشہ کے اعتبار سے لوہار تھے۔ مکہ مکرّمہ میں ان کی تلواریں بنانے کی دوکان تھی۔ وہ لوہا پگھلانے کے لیے بھٹّی گرم کرتے۔ انھوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی مالکہ امِّ انمار ان پر شدید ظلم و تشدّد کرتی۔ یہ بد بخت عورت لوہا پگھلانے والی بھٹّی سے لوہا گرم کر کے ان کے سر پر لگاتی تھی۔ ان کا پورا جسم ظلم و ستم کے باعث داغ دار اور زخمی ہو چکا تھا۔ مکہ میں جو بھی اسلام قبول کر لیتا، اس کا ناطقہ بند کر دیا جاتا، اسے دھمکیاں دی جاتیں، اس کا کاروبار تباہ کر دیا جاتا، اس سے میل جول اور گفتگو بند کر دی جاتی اور جیسے ہی موقع ملتا اسے خوب سزا دی جاتی۔

(سنہری سیرت، عبد المالک مجاہد، ص:90)

گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں

اس لیے اول تو گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور فکر کریں، اہتمام اور فکر کے بغیر گناہوں سے بچا نہیں جاسکتا، اگر اہتمام اور فکر کے باوجود کسی مجبوری سے یا بھول چوک سے یا غلطی سے گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرو، استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ یہ کرتے رہو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف فرمادیں گے اور یہ غفلت اور لاپرواہی سب سے بڑی بلا ہے کہ انسان کو فکر اور دھیان اور توجہ ہی نہ ہو بلکہ اپنے گناہوں پر نادم ہونے کے بجائے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو گناہوں کے وبال سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

(اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج:9، ص:203)

ایک آشیانے کے لیے

مشہور صحابی حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر کو فتح کرنے کے لیے وہاں کے ایک قلعے کے سامنے ایک بڑا خیمہ نصب کیا تھا، پیش قدمی کا ارادہ فرمایا تو اس خیمے کو اکھاڑ کر ساتھ لے جانا چاہا، لیکن جب اکھاڑنے کے لیے آگے بڑھے تو دیکھا کہ خیمے کے اوپر کی جانب ایک کبوتری نے انڈے دے رکھے ہیں اور ان پر بیٹھی ہے، خیمہ اکھاڑنے سے یہ انڈے ضایع ہو جاتے ہیں، حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا کہ اس کبوتری نے ہمارے خیمہ میں پناہ لی ہے، اس لیے اس خیمے کو اس وقت تک باقی رکھو، جب تک یہ بچے پیدا ہو کر اڑنے کے قابل نہ ہو جائیں، چناں چہ خیمہ باقی رکھا گیا۔

(کتابوں کی درس گاہ میں، ابن الحسن عباسیؒ، ص:93)

حساب جوں کا توں، کنبہ ڈوبا کیوں؟

حساب تو ٹھیک ہے، مگر خاندان دریا میں کیوں ڈوبا؟ کم پڑھا لکھا خطرناک ہوتا ہے۔ تعلیم کے ساتھ تجربہ ضروری ہے۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک لوک کہانی ہے جو اس طرح بیان کی جاتی ہے: کہانی: ایک منشی جی جو خود کو ماہر حساب سمجھتے تھے، اپنے پورے خاندان کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک گہری ندی پڑتی تھی، جب وہ ندی کے کنارے پہنچے تو منشی جی نے ندی کو پار کرنے سے پہلے اس کی گہرائی ناپی اور پھر اپنے خاندان کے ہر فرد کی لمبائی ناپ کر اس کا اوسط نکالا۔ خاندان کے ہر فرد کی لمبائی کا اوسط ندی کی گہرائی سے زیادہ تھا، اس لیے وہ اپنے خاندان کے ساتھ ندی کو پار کرنے کے لیے اس میں اتر پڑے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورا خاندان ڈوب گیا اور منشی جی بہہ گئے۔ منشی جی پڑھے لکھے تو تھے، بلکہ ماہر حساب بھی تھے، مگر صرف حساب لگانے بھر کے، تجربہ سے کورے تھے۔ وہ اتنے ذہین نہ تھے کہ سوچتے اس طرح اوسط لگانا یہاں کام نہ دے گا۔

(اردو کہاوتیں، ڈاکٹر شریف احمد قریشی، ص:195)

بیت السلام کی مثالی خدمات

نبض پہ ہاتھ:

حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللّٰہ کی قیادت اور رہ نمائی میں بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھے، امت مسلمہ کی خدمت میں دن رات مصروفِ عمل ہے۔ کب کہاں کس منصوبے کی ضرورت ہے، کس علاقے میں کس چیز کی ضرورت ہے، اس ضمن میں صرف دو مثالیں کافی ہوں گی۔

پہلی مثال:

جب کورونا کی وبا نے سب کو اپنی لپیٹ میں لیا، سب سے پہلے بیت السلام نے دیہاڑی دار مزدوروں، گلی محلے کے دکان داروں، رکشے ڈرائیور اور پبلک ٹرانسپورٹ سے وابستہ حضرات کے لیے راشن فراہمی کی مہم چلائی اور بیت السلام کے رضا کار لاکھوں افراد کے لیے خدمت پر کمر بستہ ہوگئے، اہل خیر نے اعتماد کیا چناں چہ یہ امدادی مہم کامیاب ہوئی۔

دوسری مثال:

2022ء میں بارشوں کا سلسلہ شدید ہونے اور سیلاب کی شکل اختیار کرنے سے پہلے ممکنہ خطرات کو محسوس کرتے ہوئے بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ عوامی خدمت کا آغاز کر چکا تھا، پھر یہ خدمت ملکی تاریخ کی سب۔بڑی امدادی مہم میں تبدیل ہوگئی، جس سے کروڑوں افراد مستفید ہوئے، پینے کے پانی اور پیٹ بھر کھانے سے لے کر علاج اور مکانات کی تعمیر حتی کہ متاثرین کے لیے کاروبار اور روزگار فراہمی کی فکر بھی کی گئی اور انتظامات کیے گئے۔ وقت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے نئے پروگرام کا آغاز کرنا بیت السلام کا خاصہ ہے، دو منصوبے بطور مثال پیش کیے جارہے ہیں

پہلا منصوبہ:

حال ہی میں انتہائی ضرورت منداور غریب طبقے کے لیے کراچی میں بیت السلام لیب کا قیام میں عمل آیا ہے، جہاں نہ صرف مستحقین زکوۃ کے لیے مکمل فری ٹیسٹ ہیں۔ بلکہ متوسط طبقے کے لیے بہت معیاری ٹیسٹ کے نرخ انتہائی کم رکھے گئے ہیں، واجبی فیس کے ساتھ مختلف امراض کے ماہر ڈاکٹر اور سرجن ڈاکٹر علاج کی تجویز اور رہ نمائی فراہم کرتے ہیں۔

دوسرا منصوبہ:

بیت السلام ٹیک پارک ایسا منصوبہ ہے، جس کا سلوگن ہے آج کا نوجوان ملک کا سرمایہ، چناں چہ اس سرمائے کو کارآمد اور نفع بخش بنانے کے لیے کراچی میں آئی ٹی سینٹر کا قیام عمل میں لایا گیا ہے، جہاں نوجوانوں کے لیے بیسیوں کورس بالکل فری کروائے جائیں گے، انٹری ٹیسٹ کا عمل جاری ہے۔ اس منصوبے سے نوجوانوں کو اپنی صلاحیت کے درست استعمال کا گر سیکھنے کا موقع ملے گا، روزگار کے مسائل بھی حل ہوں گے اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ٹیکنالوجی کے استعمال سے بہت سی آسانیاں بھی ہوں گی۔

J.
FRAGRANCES
JANAN
SPORT
JANAN
SPORT
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J. Fragrances & Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM LABORATORY & DIAGNOSTIC CENTRE

High-standard laboratory with distinctive features

LAB TESTING FACILITY **FREE** FOR **ZAKAT** BENEFICIARIES

SERVING WITH RESPECT & DIGNITY

ULTRA SOUND | XRAY | OPD

&

ALL TYPES OF **DIAGNOSTIC TESTS** ARE AVAILABLE

- MICROBIOLOGY
- CHEMICAL PATHOLOGY
- HAEMOTOLOGY
- IMMUNOLOGY & SEROLOGY
- MOLECULAR PATHOLOGY/ PCR

lab@baitussalam.org — +92 21 35392634 — +92 334 2982988

SHOW-ROOM NO. 01, GROUND FLOOR, ROYAL TOWERS, KPT INTERCHANGE KORANGI ROAD, KARACHI.